WWW.PILDAT.ORG

پلڈاٹ ڈسکشن پیپر

قومی سلامتی کونسل

سلامتی کے امور پر اداروں اور
فیصلہ سازی کے طریقہ کار پر بحث

سول ملٹری تعلقات | اپریل 2012

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

پلڈاٹ ڈسکشن پیپر

قومی سلامتی کونسل

سلامتی کے امور پر اداروں اور
فیصلہ سازی کے طریقہ کار پر بحث

سول ملٹری تعلقات | اپریل 2012

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

پلڈاٹ ایک ملکی، خودمختار، غیر جانبدار اور بلامنافع بنیادوں پر کام کرنے والا تحقیقی اور تربیتی ادارہ ہے جس کا مقصد پاکستان میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا استحکام ہے۔

پلڈاٹ، پاکستان کے ایکٹ برائے اندراجِ تنظیم 1860 کے تحت، ایک بلامنافع کام کرنے والے ادارے کے طور پر اندراج شدہ ہے۔

کاپی رائٹ پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپرنسی ۔پلڈاٹ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پاکستان میں طباعت کردہ

اشاعت: جنوری 2012

آئی ایس بی این :978-969-558-269-5

اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ، پلڈاٹ کے واضح حوالے کے ساتھ، استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ناشر

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپرنسی

ہیڈ آفس: نمبر 7، 9th ایونیو، F-8/1 اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: A-45، سیکٹر XX، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، لاہور، پاکستان
ٹیلیفون: 345-123-111 (51-92+) فیکس: 3078-226 (51-92+)
E-mail: Info@pildat.org; Web: www.pildat.org

مندرجات

صفحہ

پیش لفظ	05
مصنف کے بارے میں	07
ابتدائیہ	09
سول ملٹری مشاورت	09
سیاسی تناظر	09
قومی سلامتی کونسلوں کی مثالیں	11
امریکا کی قومی سلامتی کونسل	11
بھارتی قومی سلامتی کونسل	12
برطانیہ کی قومی سلامتی کونسل	13
ایرانی قومی سلامتی کونسل	14
ترکی کی قومی سلامتی کونسل میں اتار چڑھاؤ	14
اسرائیل کی قومی سلامتی کونسل	16
پاکستان میں قومی سلامتی کونسل کے تصور کا ابھرنا	17
یحییٰ خان کے تحت قومی سلامتی کونسل	17
قومی سلامتی کونسل کی باقاعدہ تجویز	17
فوج کا عروج	17
دفاع و قومی سلامتی کی کونسل	20
قومی سلامتی کونسل کی تشکیل کے لیے فوج کا مطالبہ	20
جنرل مشرف کے تحت قومی سلامتی کونسل	21
قومی سلامتی کونسل کا قانون 2004	22
پاکستان میں قومی سلامتی کونسل (2004-2008)	23
پیپلز پارٹی حکومت: قومی سلامتی کونسل متروک	24
میثاق جمہوریت	24
قومی سلامتی کے امور کا انتظام	25
کابینہ کمیٹی برائے دفاع	26
فعال پارلیمنٹ	26
تجزیہ اور بدلتے رجحانات	28
اختتامی جائزہ	33
منتخب کتب	34

پیش لفظ

قومی سلامتی کونسل: سلامتی کے امور پر اداروں اور فیصلہ سازی کے طریقہ کار پر بحث کے عنوان سے ڈسکشن پیپر کا مقصد دنیا کے مختلف ممالک میں قومی سلامتی کونسل کی تشکیل، اختیارات، ہیت اور کردار سے متعلق آگاہی فراہم کرنا اور ان کا پاکستان کی قومی سلامتی کونسل سے تقابلی جائزہ پیش کرنا ہے۔

اس پیپر کے مصنف معروف دفاعی وسیاسی تجزیہ نگار ڈاکٹر حسن عسکری رضوی ہیں اس میں مختلف ممالک کے قومی سلامتی کونسل کے نمونوں کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے کہ آیا مستقبل میں پاکستان میں قومی سلامتی کونسل فوجی مداخلت کو روکنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ پیپر پہلے اگست 2005 میں تیار کیا گیا تھا اسے بدلتے ہوئے حالات ورجحانات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپریل 2012 میں اپ ڈیٹ کیا گیا ہے۔

اداروں کے کردار اور قومی سلامتی کے امور پر فیصلہ سازی کے طریقہ کار کو صرف اس ریاست کے تاریخی وسیاسی تناظر میں جانچا جا سکتا ہے۔ ایک مستحکم جمہوریت میں قومی سلامتی کونسل کا کردار محدود اور مشاورتی ہوتا ہے۔ سیاسی وسول قیادت کی برتری کے اصول کے تحت فوج کی اعلیٰ قیادت کا پالیسی سازی کے حتمی مرحلے میں محدود کردار ہوتا ہے۔

پیپر میں یہ دلیل بھی دی گئی کہ پاکستان اور ترکی کے تجربے نے ثابت کیا کہ قومی سلامتی کونسل کی موجودگی اس بات کی ضمانت نہیں کہ فوج سیاست اور دیگر شعبوں میں اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے دوسرے ذرائع استعمال نہیں کرے گی اور وہ جمہوریت اور آئین کی خلاف ورزی نہیں کرے گی۔

اظہار تشکر

یہ پیپر پلڈاٹ کے پراجیکٹ ڈائیلاگ آن سول ملٹری ریلیشن ان پاکستان کے تحت تیار کیا گیا ہے جس کو برٹش ہائی کمیشن کا تعاون حاصل ہے

اعلان لاتعلقی

اس پیپر میں دی گئی آراء، نتائج اور تجاویز مصنف کی ہیں اور پلڈاٹ یا برٹش ہائی کمیشن کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

اسلام آباد

اپریل 2012

مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر حسن عسکری رضوی

سیاسی و دفاعی تجزیہ نگار

ڈاکٹر حسن عسکری رضوی ایک آزاد سیاسی اور دفاعی تجزیہ نگار ہیں۔ انہوں نے پنسلوینیا یونیورسٹی امریکا سے پولیٹکل سائنس اور بین الاقوامی تعلقات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اور لیڈز یونیورسٹی برطانیہ سے سیاسیات میں ایم فل کیا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پولیٹکل سائنس میں ماسٹر ڈگری لی۔ وہ کولمبیا یونیورسٹی نیو یارک میں مطالعہ پاکستان کے قائداعظم پروفیسر (دسمبر 1995 تا جولائی 1999)، ہیڈل برگ یونیورسٹی جرمنی میں علامہ اقبال پروفیسر اور نیو میکسیکو یونیورسٹی اور ساندیا نیشنل لیبارٹریز البقرقی (2002) میں ریسرچ سکالر رہے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے پولیٹکل سائنس کے شعبے میں بھی خدمات (1971-2001) انجام دیں جہاں وہ ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین بھی رہے۔ انہیں 2010 میں صدارتی اعزاز ستارہ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔

ڈاکٹر عسکری کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ 2004 سے پلڈاٹ کے سول ملٹری تعلقات پر قائم ڈائیلاگ گروپ کے ممبر ہونے کے علاوہ کئی دیگر امور میں بھی پلڈاٹ کو مشاورت فراہم کرتے ہیں۔

ابتدائیہ

قومی سلامتی ریاستی امور میں ایک ہمہ جہتی معاملہ ہے جو اب صرف ریاست کی سرحدوں کی فوجی حفاظت تک محدود نہیں۔ داخلی صورتحال بھی کم اہمیت کی حامل نہیں کیونکہ اندرونی تنازعات، علیحدگی پسند تحریکیں، سماجی تضادات اور عدم استحکام کے قومی سلامتی پر براہ راست اور بالواسطہ گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ غیر ریاستی تنظیموں کی بڑھتی ہوئی بین الریاستی سرگرمیاں جس میں دہشت گردی اور تشدد کے ذریعے سیاسی و مذہبی ایجنڈوں کو فروغ دیا جا رہا ہے اس سے ریاستوں کی سلامتی کے مسائل میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

قومی سلامتی کے مسائل بڑھ گئے ہیں کیونکہ ریاست کے داخلی اور خارجی محاذوں کے درمیان واضح لکیر کھینچنا ممکن نہیں ہوتا خاص طور پر جب ریاست کو داخلی علاقائی، لسانی اور علیحدگی پسند تحریکوں کا سامنا ہو۔ ایسے معاملات اگر گھمبیر اور طویل المیعاد ہو جائیں تو ان میں بین الاقوامی دلچسپی اور مداخلت بڑھ جاتی ہے۔

ایسے قومی سلامتی کے معاملات کو محض فوج کی اعلیٰ قیادت پر نہیں چھوڑا جا سکتا اسی طرح سول قیادت بھی ان مسائل سے اکیلے نمٹ نہیں سکتی۔ دونوں کو ایک دوسرے سے مشاورت کرنی ہوگی۔ اگر اعلیٰ فوجی قیادت کو فوجی سلامتی کے امور، آلات اور فوج کے پیشہ وارانہ امور کی بہتر سمجھ ہے تو انہیں سول حمایت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ سلامتی صرف جنگیں لڑنے، ہتھیار اور انسداد دہشت گردی کا نام نہیں۔

فوجی سلامتی سیاسی اور سفارتی امور سے جڑی ہے جو سول سیاسی قیادت کے دائرہ کار میں ہیں۔ سول قیادت سلامتی کی پالیسیوں کی سماجی حمایت اور مدد کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ایسی سماجی حمایت داخلی شورش، علیحدگی کی تحریکوں اور دہشت گردی کے سرگرمیوں کی صورت میں مزید اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لیے قومی سلامتی سول اور فوج کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اس مقصد کے لیے مناسب ادارے اور طریقہ کار وضع کرنا ضروری ہے۔

سول فوجی مشاورت

ہر ریاست سول فوجی مشارت، تبادلہ خیال، بحث و مباحثے، پالیسی سازی اور قومی سلامتی پالیسی کے جائزے کے لیے ادارہ جاتی انتظامات اور طریقہ کار وضع کرتی ہے۔

یہ انتظامات مختلف ریاستوں میں فرق ہیں اگرچہ اداروں کی فہرست اور پالیسی سازی کا طریقہ یکساں ہی کیوں نہ ہوں ان کے اختیارات اور کردار مختلف ممالک میں مختلف ہوتے ہیں جن کے انحصار مجموعی سیاسی نظام اختیارات کے ڈھانچے پر ہوتا ہے۔ خصوصی ادارے جیسے قومی سلامتی کونسل کئی ممالک میں موجود ہیں لیکن ان کی حیثیت اور کردار ہر ملک میں منفرد ہے۔

سیاسی تناظر

اداروں کے کردار اور قومی سلامتی کے امور پر فیصلہ سازی کے طریقہ کار کو صرف اس ریاست کے تاریخی و سیاسی تناظر میں جانچا جا سکتا ہے۔ ایک مستحکم جمہوریت میں قومی سلامتی کونسل کا کردار محدود اور مشاورتی ہوتا ہے۔ سیاسی و سول قیادت کی برتری کے اصول کے تحت فوج کی اعلیٰ قیادت کا پالیسی سازی کے حتمی مرحلے میں محدود کردار ہوتا ہے۔ امریکا، برطانیہ اور بھارت کے سیاسی نظاموں کی جمہوری اصول قومی سلامتی کونسل کا کردار متعین کرتے ہیں۔ فوج اور انٹیلی جنس فوجی سلامتی کے امور پر اپنی رائے اور مشورہ دیتے ہیں لیکن وہ سلامتی کی پالیسی کو حتمی شکل نہیں دیتے۔ ان ریاستوں میں جہاں فوج زیادہ عرصہ اقتدار میں رہی ہو

وہاں براہ راست سیاسی قوت نہ ہونے کے بعد بھی قومی سلامتی کونسل پالیسی سازی اور اس پر عملدرآمد میں ان کے بڑھتے ہوئے کردار کو آئینی اور قانونی تحفظ فراہم کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ فوج اور فوجی انٹیلی جنس اداروں کے سلامتی کے امور میں بڑھے ہوئے کردار اور اثرات کو جاری رکھنے میں مددگار بن جاتی ہے۔

سیاسی اور سول اداروں کی کمزوری اور عدم تسلسل کو مدنظر رکھتے ہوئے فوج کی اعلیٰ قیادت پالیسی سازی میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے اگرچہ قوانین قومی سلامتی کونسل کے کردار کو مشاورت تک محدود کرتے ہیں۔ ایسے سیاسی نظاموں میں قومی سلامتی کونسل جیسے اداروں کے ذریعے فوجی حکام اپنی رائے منواتے ہیں۔ آئینی اور قانونی تحفظ سیاسی نظام میں ان کے کردار کی توثیق کرتا ہے۔ تاہم اس میں وہ طریقہ کار شامل نہیں جو سیاسی اقتدار کا مزہ چکھنے والی فوجیں اپنے پیشہ وارانہ اور تجارتی مفادات کے تحفظ یا سول قیادت کو کسی مخصوص معاملے پر پالیسی اپنانے اور مسترد کرنے پر مجبور کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ فوجی حکومتیں یا غیر پیشہ وارانہ شعبوں میں مداخلت کرنے والے اعلیٰ فوجی حکام عموماً خصوصی پالیسی مشاورتی اداروں کی تشکیل کی حمایت کرتے ہیں تاکہ وہ سول آئینی حکومتوں کی بحالی کے بعد بھی پالیسی امور میں اپنا اثر جاری رکھ سکیں۔ اس سے سیاسی نظام اور پالیسی سازی اور اس پر عمل کے طریقہ کار میں بھی ان کا مجموعی تسلط برقرار رہتا ہے۔

ایران میں سپریم لیڈر روں کو ریاستی اداروں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ فوج کا کردار سپریم لیڈر، صدر اور دیگر آئینی اداروں کے ماتحت ہے۔

ترکی میں قومی سلامتی کونسل کے کردار کی تین جہتیں ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ قومی سلامتی کونسل کا کردار سول ملٹری تعلقات میں تبدیلی کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ ترک فوج کی حکمرانی اور سیاسی انتظام چلانے کی طویل تاریخ ہے۔ قومی سلامتی کونسل اعلیٰ فوجی قیادت کو سیاسی حکومت پر اثر انداز ہونے کا موقع فراہم کرتی رہی اور جب اور جہاں بھی ضرورت ہوئی حکومت کی کارکردگی کی نگرانی کرتی رہی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قومی سلامتی کونسل کا قیام فوج کو سول حکومت پر اثر انداز ہونے کے دوسرے ذرائع استعمال کرنے سے نہیں روکتا۔ قومی سلامتی کونسل کی موجودگی ترک فوج کو سول حکومت کو ہٹا کر براہ راست اقتدار سنبھالنے سے نہیں روک سکی۔

ترکی نے یہ بھی ثابت کیا کہ سول حکومتیں فوج کو پیچھے دھکیل سکتی ہیں اور عوامی حمایت، سیاسی تسلسل، موثر گورننس اور معاشی کارکردگی سے قومی سلامتی کونسل کے کردار کو کمزور کرسکتی ہیں۔ اے کے پارٹی کی حکومت 2002 سے تین انتخابات جیت کر اقتدار میں ہے اور اچھی گورننس اور بہتر معاشی انتظام سے مقبولیت برقرار رکھے ہے اور عالمی سطح پر عزت حاصل کررہی ہے۔ اس وجہ سے قومی سلامتی کونسل کا کردار اور اختیارات کم کرنا اور اعلیٰ فوجی قیادت کے اثرات کم کرنا ممکن ہوا۔

قومی سلامتی کونسل کی مثالیں

تمام ریاستوں کے سول اور ملٹری قیادت کی آپس میں مشاورت اور اندرونی و بیرونی سلامتی کے لیے پالیسی کی تشکیل کے لیے ادارہ جاتی انتظامات اور طریقہ کار وضع ہیں۔یہ کسی حکمران کی طرف سے انتہائی ذاتی اقدامات بھی ہوسکتے ہیں جس میں اس کے ذاتی دوست اور مشیر شامل ہوسکتے ہیں۔حکمران فیصلہ کرسکتا ہے کہ کب اور کہاں مشاورت کی ضرورت ہے بعض اوقات یہ مشاورت انتہائی ذاتی اور غیر رسمی ہوسکتی ہے۔ایک رسمی اور واضح ڈھانچہ بھی ہوسکتا ہے جو کمیٹی، سب کمیٹی یا اہم سول اور ملٹری حکام پر مشتمل ہو جو ایک رسمی طریقہ کار کے تحت ملیں جن میں اختیارات واضح ہوں۔اداروں کی ہیت اور قومی سلامتی کی پالیسی سازی کے طریقہ کار کا انحصار سیاسی نظام کے خدوخال اور نوعیت اور حکمران طبقے کی منشاء پر ہوتا ہے۔

ادارہ جاتی انتظامات اور قومی سلامتی کی پالیسی کی تشکیل میں اور ان انتظامات میں فوج کی اعلیٰ قیادت کے کردار کے تعین میں اس ملک کی سیاسی روایات اہم کردار ادا کرتی ہیں۔اگر سیاسی نظام میں فوج، قبیلے ،لسانی یا مذہبی گروہوں کا غلبہ ہو تو ادارہ جاتی ڈھانچے میں ان طاقت کے مراکز کی جھلک نظر آئے گی۔اسی لیے جس سیاسی نظام میں طویل فوجی حکمرانی رہی ہو وہاں فوج کے کردار کو غیر پیشہ وارانہ شعبوں خصوصا گورننس اور ریاست کے انتظامات میں محدود کرنا کافی مشکل ہوتا ہے۔قومی سلامتی کونسل یا دیگر پالیسی سازی کے خصوصی آئینی انتظامات فوج کو پالیسی سازی اور ریاستی انتظامات میں شامل کرنے کے لیے تشکیل دیئے جاتے ہیں۔

مستحکم جمہوریتیں جہاں فوج کے کردار کو بنیادی طور پر پیشہ وارانہ امور تک ہی محدود رکھا جاتا ہے وہاں بھی قومی سلامتی کونسل یا ایسا کوئی آئینی انتظام سلامتی کے امور پر سول ملٹری مشاورت کے لیے قائم کیا جاسکتا ہے لیکن وہاں اعلیٰ فوجی قیادت کا کردار محدود ہوتا ہے اور سیاسی قیادت فوج کی رائے لینے کے بعد حتمی فیصلہ کرتی ہے۔ایسے آئینی انتظامات اعلیٰ فوجی قیادت کو سول اداروں اور طریقہ کار پر اپنا دائرہ کار بڑھانے کے لیے قانونی تحفظ فراہم نہیں کرتے۔

درج ذیل میں مختلف ممالک کے مختصر جائزوں سے پتا چلتا ہے کہ قومی سلامتی کونسل سیاسی نظام کی مجموعی ہیت کا مظہر ہوتی ہے اور اس کو متعلقہ ریاست کی مجموعی سیاسی نظام کے تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔

تمام ریاستوں میں داخلی اور خارجی سلامتی کے امور پر مشاورت، رابطے اور پالیسی سازی کا آئینی طریقہ کار موجود ہوتا ہے۔یہ کسی حکمران کی جانب سے انتہائی ذاتی نوعیت کے انتظام سے لے کر کمیٹیوں، سب کمیٹیوں اور اعلیٰ حکام پر مشتمل رسمی ڈھانچہ شامل ہیں۔ان کی ہیئت بڑی حد تک سیاسی نظام پر منحصر ہوتی ہے۔

قومی سلامتی کونسل کی مندرجہ ذیل مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ادارے مجموعی سیاسی نظام کی جھلک پیش کرتے ہیں اس لیے قومی سلامتی کونسل کے خدوخال کو مجموعی سیاسی نظام کے تناظر ہی میں پرکھا جاسکتا ہے۔

امریکا کی قومی سلامتی کونسل

قومی سلامتی کونسل کو پہلی دفعہ جولائی 1947 میں پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے تشکیل دیا گیا۔اس کے سات ممبران تھے جن میں صدر، خارجہ، دفاع، آرمی ،نیوی اور ائر فورس کے وزراء اور چیئرمین قومی سیکورٹی ریسورس بورڈ شامل تھے۔1949 میں قومی سلامتی کونسل کی تشکیل نو کی گئی نائب صدر کو شامل کیا گیا اور تینوں مسلح افواج کے وزراء کو نکال دیا گیا۔

مارچ 1953 میں صدر کے نائب برائے قومی سلامتی امور (قومی سلامتی مشیر) کا عہدہ تشکیل دیا گیا۔ ماضی کے نامور قومی سلامتی مشیران میں ڈبلیو ڈبلیو روسٹرو (اپریل 1966 تا جنوری 1969)، ڈاکٹر ہنری اے کسنجر (جنوری 1969 تا نومبر 1975 اس کے ساتھ ہی نومبر 1973 سے وزیر خارجہ بھی رہے)، ڈاکٹر زبگنیو برزنسکی (جنوری 1977 تا جنوری 1981)، جنرل کولن ایل پاول (نومبر 1987 تا جنوری 1989، بعد میں وزیر خارجہ بھی رہے)، سیموئل برگر (مارچ 1997 تا جنوری 2001)، ڈاکٹر کونڈولیزا رائس (جنوری 2001 تا جنوری 2005، بعد میں وزیر خارجہ بھی رہیں) اور جنرل جیمز ایل جونز (جنوری 2009 تا اکتوبر 2010)۔

قومی سلامتی کونسل امریکی صدر کو منصوبہ بندی، رابطے اور فوجی، سلامتی اور خارجہ پالیسیوں کی تشکیل اور سی آئی اے سے متعلق مشاورت فراہم کرتی ہے۔ اس کا حقیقی کردار اس بات پر منحصر ہے کہ صدر کس حد تک اس پر انحصار کرتا ہے۔ اس کی ہیئت وقت کے ساتھ تبدیل ہوتی رہی ہے۔ اس کے رسمی ممبران میں صدر، نائب صدر، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، وزیر دفاع، مشیر قومی سلامتی، چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف اور ڈی جی سی آئی اے شامل ہیں دیگر جن کو مدعو کیا جاسکتا ہے ان میں صدر کے چیف آف سٹاف، صدر کے کونسل، معاشی امور پر صدر کے نائب شامل ہیں۔ ضرورت کے وقت دیگر حکام مثلاً اٹارنی جنرل کو بھی مدعو کیا جاسکتا ہے۔

صدر کے مشیر قومی سلامتی، قومی سلامتی کونسل کے ڈائریکٹر بھی ہوتا ہے جو صدر کے ساتھ باقاعدگی سے مشاورت کرتا ہے۔ ماہر سویلین سٹاف مشیر قومی سلامتی اور قومی سلامتی کونسل کی مختلف امور میں مدد کرتا ہے۔

بھارتی قومی سلامتی کونسل

بھارت میں قومی سلامتی کونسل نومبر 1998 میں اٹل بہاری واجپائی کی قیادت میں بھارتی جنتا پارٹی کی حکومت نے مئی 1998 کے ایٹمی دھماکوں کے تناظر میں تشکیل دی۔ اس سے بی جے پی کے انتخابی منشور میں کیے گئے وعدے کی بھی تکمیل ہوئی۔ برجیش مشرا (وزیر اعظم کے پرنسپل سیکریٹری) کو قومی سلامتی کا پہلا مشیر مقرر کیا گیا۔

بھارت کی قومی سلامتی کونسل کا تین جہتی ڈھانچہ ہے۔ سب سے پہلے سات رکنی مرکزی ادارہ جسے قومی سلامتی کونسل کہا جاتا ہے۔ اس کی صدارت وزیر اعظم کرتے ہیں اور اس میں داخلہ، دفاع، امور خارجہ اور خزانہ کے یونین منسٹر اور ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن شامل ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم کو پرنسپل سیکریٹری قومی سلامتی مشیر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتا ہے اور اسی حیثیت میں قومی سلامتی کونسل میں شرکت کرتا ہے۔ کابینہ کے دیگر اراکین اور سینئر حکام مدعو کرنے پر اجلاس میں شرکت کر سکتے ہیں۔ قومی سلامتی کونسل داخلی اور خارجہ سلامتی ،فوجی معاملات، روایتی اور غیر روایتی دفاع، خلا اور اعلیٰ ٹیکنالوجی، انسداد دہشت گردی، معیشت اور ماحولیات کے وسیع پیمانے پر امور کو دیکھتی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ قومی سلامتی کونسل کے اعلیٰ درجے میں فوج کی کوئی نمائندگی موجود نہیں۔ تاہم مسلح افواج کے سربراہان خصوصاً آرمی چیف کو ضرورت پڑنے مدعو کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آرمی چیف این سی وجے نے جولائی 2004 میں قومی سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کی۔ یہ ڈاکٹر من موہن سنگھ کی قیادت میں کانگریس کے متحدہ پروگریسو اتحاد حکومت کا پہلا اجلاس تھا۔

دوسرا درجہ سٹریٹجک پلاننگ گروپ کہلاتا ہے۔ اس کی صدارت کابینہ سیکریٹری کرتا ہے اور اس میں آرمی، نیوی اور ائیر فورس کے سربراہان، گورنر

ریزرو بنک آف انڈیا، داخلہ، دفاع، امور خارجہ اور خزانہ کی وزارتوں کے سیکریٹریز، محکمہ دفاعی پیداوار اور سپلائی کے سیکریٹری، وزیر دفاع کے سائنسی مشیر اور یونین وزراء کے کئی دیگر سیکریٹریز اور ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو شامل ہیں۔ اس کو یونین وزراء کے سیکریٹریز کی کمیٹی بھی کہا جاتا ہے جس میں تینوں سروسز چیفس اور کچھ دیگر کو شامل کیا گیا ہے۔ سٹرٹیجک پلاننگ گروپ طویل المعیاد دفاعی امور اور سٹرٹیجک معاملات کا جائزہ لے کر مرکزی ادارے کو غور کے لیے بھجواتا ہے۔

تیسرا درجہ قومی سلامتی مشاورتی بورڈ ہے جو حکومت سے باہر اہم شخصیات پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں داخلی و خارجی سلامتی، امور خارجہ، دفاعی و فوجی امور، سائنس و ٹیکنالوجی اور معیشت پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ یہ پالیسی سازوں کے لیے تھنک ٹینک کا کام دیتا ہے اور ان امور پر تجاویز پیش کرتا ہے۔ اسے مہینے میں کم از کم ایک اجلاس کرنا ہوتا ہے۔ قومی سلامتی کونسلمشاورتی بورڈ سے کسی مخصوص معاملے کا جائزہ لینے کا کہہ سکتا ہے۔ پہلا بورڈ 27 سابق سرکاری حکام، ماہرین تعلیم اور صحافیوں پر مشتمل تھا جسے ایٹمی نظریہ ڈرافٹ کرنے کا کام سونپا گیا۔

موجودہ مشترکہ انٹیلی جنس کمیٹی کی تشکیل نو کی گئی اور اسے قومی سلامتی کونسل کے سیکریٹریٹ کا درجہ دیا گیا۔

برطانیہ کی قومی سلامتی کونسل

وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے مئی 2010 میں قومی سلامتی کونسل قائم کی تاکہ قومی سلامتی کے تمام پہلوؤں کے مستحکم کرنے کے لیے مختلف محکموں اور ایجنسیوں کے درمیان رابطے کو بہتر بنایا جاسکے۔ وہ محکمے جن کے امور میں اعلیٰ ترین سطح پر رابطہ قائم کرنا تھا ان میں داخلہ، خارجہ، دفاع، توانائی اور بین الاقوامی ترقی شامل ہیں۔ حکومت کے دیگر محکموں کو بھی اجلاس میں طلب کیا جاسکتا ہے۔

قومی سلامتی کونسل کی صدارت وزیر اعظم کرتے ہیں جبکہ اس کے ممبران میں ڈپٹی وزیر اعظم، خزانے کا چانسلر، امور خارجہ اور دولت مشترکہ کے امور کے وزیر، وزیر دفاع، وزیر بین الاقوامی ترقی، وزیر توانائی و ماحولیاتی تبدیلی، خزانہ کے چیف سیکریٹری اور وزیر برائے حکومتی پالیسی شامل ہیں۔ ضرورت کے مطابق دیگر کابینہ ممبران اجلاس میں شرکت کر سکتے ہیں (اس بات پر منحصر ہے کہ کونسل میں کیا معاملہ زیر بحث ہے)۔ اسی طرح چیف آف ڈیفنس سٹاف، انٹیلی ایجنسیوں کے سربراہان وغیرہ بھی ضرورت کے مطابق شریک ہوسکتے ہیں۔

قومی سلامتی کونسل سلامتی کے امور پر حکومت کے مقاصد اور موجودہ مالی حالات میں کیسے بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں ان امور پر غور کے لیے اہم فورم ہے۔ کونسل کا اہم مقصد اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ وزراء قومی سلامتی کا سٹرٹیجک طریقے سے جائزہ لیں۔

کونسل کا اجلاس ہر ہفتے ہوتا ہے۔

برطانیہ کے کابینہ کے دفتر کے مطابق، کونسل کی تین وزارتی ذیلی کمیٹیاں ہیں۔

i۔ دھمکیوں، خطرات، رکاوٹوں اور ممکنات کا جائزہ لینا اور انٹیلی جنس معاملات کا جائزہ لینا
ii۔ نیوکلیئر ڈیٹرنس اور سلامتی کا جائزہ لینا
iii۔ نئے ابھرتی ہوئی عالمی طاقتوں کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات

ان کا مقصد قومی سلامتی کے امور کا مختلف محکموں کی شرکت کے ساتھ زیادہ موثر طور پر جائزہ لینا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ حکومت کے اعلیٰ افسران پر مشتمل گروپ بھی منسلک ہے جو وزارتی سطح پر مدد اور معلومات

فراہم کرتا ہے۔ ان میں اہم مستقل سیکریٹریز گروپ ہے جس کی صدارت مشیر قومی سلامتی کرتا ہے۔ مشیر قومی سلامتی، قومی سلامتی کونسل کے سیکریٹری کے طور پر بھی ذمہ داری ادا کرتا ہے۔

اپنے قیام سے اب تک قومی سلامتی کونسل نے 2010 سٹریٹجک ڈیفنس اینڈ سیکورٹی ریویو اور قومی سلامتی حکمت عملی پیش کر چکی ہے۔ تاہم ان دونوں کا ہاوس آف کامنز کی پبلک ایڈمنسٹریشن اور دفاع کی منتخب کمیٹیوں نے بھرپور جائزہ لیا۔ یہ مانا جاتا ہے کہ وزارتی جائزہ لینے کے موجودہ طریقے کے بجائے حکومت کو فوج اور آپریشنل حکمت عملی سے واقفیت رکھنے والوں آزادانہ سٹڈیز کرانی چاہیں ان سٹڈیز سے سفارشات مرتب کی جانی چاہیں۔

ایرانی قومی سلامتی کونسل

1979 کے ترمیمی آئین کے آرٹیکل 176 کے تحت ایران کی 14 رکنی سپریم کونسل برائے قومی سلامتی تشکیل دی گئی۔ اس میں صدر (چیئرمین)، حکومت کے تینوں ستونوں کے سربراہ (انتظامیہ، قانون ساز اور عدلیہ)، مسلح افواج کی سپریم کمانڈ کونسل کے سربراہ، پلاننگ اور بجٹ امور کا انچارج افسر، سپریم لیڈر کے دو نامزد نمائندے، امور خارجہ، داخلہ اور اطلاعات کے وزراء، زیر بحث معاملے کا متعلقہ وزیر، مسلح افواج کا اعلیٰ رینک کا افسر اور اسلامی پاسبان انقلاب کا کمانڈر شامل ہیں۔

سپریم کونسل کی ہیئت سے پتا چلتا ہے کہ اس میں یونیفارم میں صرف تین ممبران ہیں جن میں دو مسلح افواج کے نمائندے اور ایک پاسبان انقلاب کا نمائندہ شامل ہے۔ سپریم لیڈر اور حکومت کی مجموعی بالادستی کو سپریم کونسل برائے قومی سلامتی میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

سپریم کونسل تین اہم امور انجام دیتی ہے۔

i۔ سپریم لیڈر کی جانب سے فراہم کردہ رہنمائی میں دفاع و قومی سلامتی کی پالیسیاں تشکیل دینا

ii۔ قومی سلامتی پالیسی اور سیاسی، سماجی، ثقافتی، معاشی اور انٹیلی جنس کی پالیسیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور

iii۔ داخلی و خارجی خطرات سے نمٹنے کے لیے سامان اور عقلی وسائل کو متحرک کرنا۔

سپریم کونسل دفاع و سلامتی کے امور پر ذیلی کونسلیں تشکیل دی سکتی ہے۔ ہر ذیلی کونسل کی صدر یا صدر کی جانب سے مقرر کردہ سپریم کونسل کا ممبر صدارت کرتا ہے۔ ذیلی کونسل سپریم کونسل کو جوابدہ ہوتی ہیں۔ سپریم کونسل برائے قومی سلامتی کے فیصلے سپریم لیڈر کی توثیق کے بعد نافذ العمل ہوتے ہیں۔

ترکی کی قومی سلامتی کونسل کا اتار چڑھاؤ

ترکی میں قومی سلامتی کونسل سب سے پہلے جنرل کیمل گورسل کی فوجی حکومت نے 1961 میں نئے آئین کی تشکیل کے وقت قائم کی۔ 1961 کے آئین کے آرٹیکل 111 میں قومی سلامتی کونسل تشکیل دی گئی۔" قومی سلامتی سے متعلق فیصلے لینے اور روابط کے لیے وزارتی کونسل کو ضروری بنیادی رہنمائی فراہم کرنا"۔ یہ کابینہ پر لازمی تھا کہ وہ ایمرجنسی نافذ کرنے سے پہلے قومی سلامتی کونسل سے مشاورت کرے۔

1961 کے آئین کے تحت قومی سلامتی کونسل کے 10 ممبران تھے جن میں صدر (چیئرمین)، وزیراعظم، چیف آف جنرل سٹاف، دفاع، داخلہ اور خارجہ امور کے وزراء، آرمی، نیوی اور ائیرفورس کے سربراہان اور Gendarmerie کے کمانڈر شامل تھے۔ چونکہ

1961 سے 1980 تک تمام صدور فوج سے تعلق رکھتے تھے اس لیے قومی سلامتی کونسل میں اکثریت فوج سے تعلق رکھنے والوں کی رہی۔

ستمبر 1980 میں جنرل کعنان ایورن نے اقتدار سنبھالا اور دو سال تک ملک مارشل لاء کے تحت چلایا۔ فوجی حکومت نے نئے آئین کی تشکیل کے لیے مشاورتی اسمبلی مقرر کی۔ نیا آئین نومبر 1982 میں ریفرنڈم کے لیے پیش کیا گیا جس کے حق میں 91 فیصد ووٹ آئے۔ اس ریفرنڈم میں جنرل کعنان ایورن کو 1982 کے آئین کے تحت صدر بھی منتخب کیا گیا۔ انہوں نے 9 نومبر 1982 کو سات سال کے لیے منتخب صدارت سنبھالی۔

1982 کے آرٹیکل 118 کے تحت قومی سلامتی کونسل قائم کی گئی جس کی ہیئت 1961 والے آئین کی ہی تھی۔ "ریاست کے اعلیٰ مشاورتی بورڈ" کی حیثیت سے قومی سلامتی کونسل صدر، وزیر اعظم، تین وزراء، چیف آف جنرل سٹاف اور چار دیگر اعلیٰ فوجی حکام شامل تھے۔ فوج کا قومی سلامتی کونسل کے کام پر غلبہ تھا اور اس کے اعلیٰ حکام قومی سلامتی کونسل سے ہٹ کر بھی سول حکومت پر دباؤ کے مختلف طریقے استعمال کرتے تھے۔

1982 کی قومی سلامتی کونسل کے کام 1961 کی کونسل سے مختلف نہیں تھے۔ تاہم آرٹیکل 118 نے کابینہ پر لازم قرار دیا کہ وہ قومی سلامتی کونسل کی سفارشات کا ترجیحی بنیادوں پر جائزہ لے گی۔ آرٹیکل میں مزید بیان کیا گیا کہ قومی سلامتی کونسل "حکومتی فیصلوں پر اپنی رائے وزراء کی کونسل کو دے گی اور یہ قومی سلامتی کی پالیسی کی تشکیل اور عملدرآمد میں رابطے کے لیے وزراء کونسل کو سفارشات دیں گے"۔

قومی پالیسی میں لفظ قومی سلامتی کی وسیع تناظر میں تعریف کی گئی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ " قومی سلامتی کا مطلب ریاست کے خلاف ہر قسم کے آئینی، قومی سالمیت، اتحاد اور سیاسی، سماجی، ثقافتی اور معاشی شعبوں میں عالمی حقوق و مفادات کے خلاف داخلی و خارجی خطرات سے تحفظ اور دفاع ہے"۔

قومی سلامتی کونسل سیکریٹریٹ کا سربراہ سیکریٹری جنرل ہوتا ہے جو 2003 تک فور سٹار جنرل یا ایڈمرل ہوتا تھا۔ سیکریٹریٹ ریکارڈ رکھنے، معلومات اکھٹا کرنے اور قومی سلامتی کونسل کے لیے بریفنگ تیار کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ترک فوج کو جنوری 1961 کے آرمڈ فورسز انٹرنل سروسز لاء کے تحت خصوصی ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ مسلح افواج نہ صرف ملک کی علاقائی سالمیت اور آزادی کو اندرونی و بیرونی خطرات سے تحفظ دینے کی ذمہ دار ہے بلکہ آئین میں بیان کی گئی ترک ریپبلک کی خصوصی حیثیت برقرار رکھنے کی بھی ذمہ دار ہے یعنی ریپبلک اور سیکولر حیثیت۔

جسٹس اینڈ ڈیویلپمنٹ پارٹی (اے کے پارٹی) نے 2002 میں انتخابات جیتنے کے بعد حکومت سنبھالی اور 2003 میں قومی سلامتی کونسل میں کئی تبدیلیاں کیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ صدر کی جانب سے مقرر کیا جانے والا کونسل کا سیکریٹری جنرل سویلین بھی ہوسکتا ہے۔ فوجی افسران کی تعداد کم کی گئی تاکہ کونسل میں سویلین کی اکثریت ہو اور اجلاس ہر ماہ کے بجائے دو ماہ میں منعقد کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ کونسل کا بجٹ وزیر اعظم کے تحت کر دیا گیا۔

2003 کے بعد کی تبدیلیوں اور ان کے اثرات کو آگے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے

اسرائیل کی قومی سلامتی کونسل

قومی سلامتی کونسل کو کابینہ نے مارچ 1999 میں قائم کی جو وزیراعظم سیکریٹریٹ کے تحت کام کرتی ہے۔ جولائی 2008 میں اس کے قیام کے لیے باقاعدہ قانون پاس کیا گیا جس میں کونسل کو وزیراعظم کے تحت برقرار رکھا گیا۔ کونسل 2008 کے قانون اور وزیراعظم کی ہدایات کے تحت کام کرتی ہے۔

اس کا بنیادی کام "قومی سلامتی کے امور پر ایک مرکزی ادارے کی حیثیت سے وزیراعظم اور حکومت کو معلومات فراہم کرنا" یہ حکومتی اداروں اور محکموں کی جانب سے قومی سلامتیسے متعلق کام کو ہم آہنگ کرتی اور رابطہ کرتی ہے اور وزیراعظم کو قومی سلامتی سے متعلق وزارتی کمیٹی اور دیگر فورمز پر زیر بحث امور پر بریف کرتی ہے۔

وزیراعظم اور کابینہ کو ضروری معلومات اور مشاورت فراہم کرنے کے علاوہ قومی سلامتی کونسل Knesset (اسرائیلی پارلیمنٹ) کی سلامتی کے امور پر کمیٹیوں کو بھی بریفنگ دیتی ہے۔ یہ قومی سلامتی پالیسی پر کابینہ کو سفارشات بھی دے سکتی ہے اور قومی سلامتی سے متعلق منصوبہ بندی کرنے والے حکومتی محکموں کی مدد سے طویل المعیاد منصوبہ بندی کرتی ہے۔ یہ سلامتی سے متعلق فیصلوں پر عملدرآمد کا بھی جائزہ لیتی ہے۔

قومی سلامتی کونسل وزیراعظم کے مشیر قومی سلامتی کی سربراہی میں کام کرتی ہے جسے وزیراعظم نامزد کرتے ہیں اور وہ وزیراعظم کو جوابدہ ہوتا ہے۔ اس کے پانچ ڈویژن ہیں۔

i۔ سلامتی پالیسی
ii۔ خارجہ پالیسی
iii۔ کمپنی اور انفراسٹرکچر
iv۔ انسداد دہشت گردی
v۔ آرگنائزیشن اور آپریشن

ان سب کی سربراہی ایک سینئر افسر کرتا ہے۔

اسرائیلی قومی سلامتی کونسل میں معاشی اور قانونی مشیر بھی ہوتے ہیں۔ عمومی طور پر کونسل میں کچھ سینئر حکام فوج سے متعلق ہوتے ہیں (ریٹائر یا ریزرو) لیکن اعلیٰ فوجی افسران اور ان کے سٹاف کا کوئی کردار نہیں ہے۔ لیکن وزیراعظم کے پاس ایسے تقرریوں کا اختیار ہے۔

یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ قومی سلامتی کونسل کے علاوہ کابینہ کی وزارتی کمیٹی برائے قومی سلامتی بھی موجود ہے۔

پاکستان میں قومی سلامتی کونسل کے رجحان کا ابھرنا

قومی سلامتی کونسل یا اس سے ملتے جلتے ادارے کے قیام کی حمایت پاکستان میں عمومی طور پر فوجی حکومتیں، حاضر سروس و ریٹائرڈ فوجی افسران اور ان کے سول اتحادی کرتے ہیں۔اس کی بنیادی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ فوج کو پالیسی سازی کے عمل میں باقاعدہ شامل کیا جانا چاہیے کیونکہ سلامتی اور داخلی پالیسی سازی میں اس کا کردار ہے۔اس سے فوج کو سیاست اور گورننس میں براہ راست مداخلت سے روکا جا سکتا ہے۔

زیادہ تر سیاسی جماعتوں اور قائدین نے قومی سلامتی کونسل جیسے ادارے کی تشکیل کی بھرپور مخالفت کی کیونکہ ان کی رائے میں قومی معاملات میں فوج کی اعلیٰ قیادت کے اضافی کردار کو آئینی و قانونی تحفظ ملے گا۔ان کی رائے میں اس سے فوج کا کردار کم ہونے کے بجائے مضبوط ہوگا۔

تاہم سویلین سیاسی قائدین کابینہ کمیٹی برائے دفاع اور دفاع و سلامتی سے متعلقہ کئی پارلیمانی کمیٹیوں کو مضبوط بنانے کے حق میں ہیں۔

یحییٰ خان کے تحت قومی سلامتی کونسل

یحییٰ خان کی فوجی حکومت (مارچ 1969 تا دسمبر 1971) نے پہلی دفعہ قومی سلامتی کونسل قائم کی جس کے سیکریٹری میجر جنرل غلام عمر تھے۔یہ صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کا حصہ تھی۔قومی سلامتی کونسل فوجی حکومت کے فیصلہ سازی کے عمل میں شریک نہیں تھی کیونکہ یحییٰ خان نے حکومت ذاتی ادارے کی طرح چلائی اور اپنے بااعتماد فوجی اور سول بیوروکریٹس اور مشیروں پر بھروسہ کرتا تھا۔میجر جنرل عمر یحییٰ خان کے اہم ترین مشیر تھے اور اسی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔قومی سلامتی کونسل کا وجود صرف کاغذوں میں تھا۔

قومی سلامتی کونسل کی باقاعدہ تجویز

جنرل ضیاالحق پاکستان کا پہلا فوجی حکمران تھا (جولائی 1977 تا اگست 1988) جس نے قومی سلامتی کونسل کے قیام کی باقاعدہ تجویز دی تاکہ آرمی کی اعلیٰ قیادت کے سلامتی کے امور اور دیگر قومی اہمیت کے معاملات پر پالیسی سازی میں حصہ لینے کے لیے آئینی وقانونی انتظام کیا جا سکے۔

یہ فوج کی جانب سے اپنے پیشہ وارانہ ذمہ داریوں سے بالاتر ہو کر کردار بڑھانے کی خواہش کی جانب اہم پیش رفت تھی۔یہ عمل 50 کی دہائی میں شروع ہوا اور جنرل ضیاء کی قومی سلامتی کونسل کے قیام کا اقدام فوج کے غیر قانونی اور غیر آئینی کردار پر ہونے والی تنقید کو روکنے کی کوشش تھی۔

فوج کا عروج

پاکستانی فوج اپنی روایتی کردار سے ہٹ گئی جو فوج پر سویلین بالادستی اور سیاست سے علیحدگی کی برطانوی روایت کی بنیاد پر قائم تھا۔یہ سلامتی کے امور پر اپنی رائے دیتی تھی لیکن حتمی فیصلہ سویلین سیاسی حکومت کرتی تھی۔فوج برطانیہ سے آزادی اور قیام پاکستان کی سیاسی جدوجہد سے الگ رہی۔اس نے پیشہ وارانہ ڈسپلن برقرار رکھا۔1946 میں معدودے چند بدنظمی کے واقعات ہوئے وہ بھی ذاتی سطح پر تھے۔مسلمان افسران اور دیگر رینک عمومی طور پر پاکستان کے مطالبے سے ہمدردی رکھتے تھے۔

فوج نے آزادی کے پہلے دو سال میں ہی اہمیت اختیار کر لی کیونکہ پاکستان کو آغاز سے شدید داخلی و خارجی سلامتی کے خطرات لاحق ہو گئے۔داخلی مسائل اور بھارت اور افغانستان کی جانب سے سلامتی کو درپیش خطرات کی وجہ سے ریاست کی ناکامی کا خدشہ لاحق ہو گیا

تھا۔ ریاست کے بچاؤ پالیسی سازوں کے لیے سب سے بڑی تشویش تھی جس کے انہوں نے طاقتور فوج کو ملک بچانے کی حکمت عملی کے لیے اہم جانا۔ اس سے فوج کی اعلیٰ قیادت نے آہستہ آہستہ سلامتی کے امور پر پالیسی سازی کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جہاں سیاسی جماعتیں قیادت اور انتظامی مسائل سے دوچار تھیں فوج کی اعلیٰ قیادت نے بیوروکریسی کے ساتھ مل کر طاقت حاصل کر لی اور کمزور سیاسی قوتوں کو دبانا شروع کر دیا۔ آرمی چیف نے صدر کے ساتھ مل کر کمزور سیاسی قائدین کو ہٹانا شروع کر دیا اور اکتوبر 1958 میں براہ راست اختیار سنبھال لیا۔

یہ سیاسی سرگرمیوں میں فوج کی مداخلت کا ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ سینئر کمانڈروں نے اپنے تجربے اور فوجی بیک گراؤنڈ کی بنا پر سیاست کو اپنی سیاسی ترجیحات پر چلانے کی کوشش کی۔ فیلڈ مارشل ایوب خان نے فوج کو پوری طرح سیاست میں گھسیٹ لیا۔ یحییٰ خان نے ایوب کے طریقہ کار کو آگے بڑھاتے ہوئے گورننس اور سیاسی انتظامات میں فوج کا غلبہ مزید بڑھا دیا۔ تاہم دسمبر 1971 میں بھارت کے ساتھ جنگ میں شکست اور پاکستان ٹوٹنے سے فوج کا بڑھا ہوا اثر عارضی طور پر رک گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو 1971 کے بعد کے پاکستان کا مشہور سویلین قائد نے 20 دسمبر 1971 کو فوجی شکست کے بعد یحییٰ خان کی فوجی حکومت کے سبکدوش ہونے کے بعد اقتدار سنبھالا۔ بھٹو نے فوجی کمانڈ کے ڈھانچے اور سلامتی کے امور میں پالیسی سازی میں کئی تبدیلیاں کر کے سویلین اختیار کو بڑھایا۔ ان اہم تبدیلیوں میں شامل ہیں:

1۔ مارچ 1972 میں تینوں مسلح افواج کے سربراہان کا عہدہ کمانڈران چیف سے تبدیل کر کے چیف آف سٹاف کر دیا گیا اور انہیں چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے تحت کر دیا گیا اور صدر کو کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔

2۔ چیف آف سٹاف کے عہدے کی ابتدائی طور پر مدت چار سال مقرر کی گئی۔ 1975 میں اسے کم کر کے تین سال کر دیا گیا۔ حکومت نے سروسز چیفس کی ملازمت میں توسیع نہ کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔

3۔ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کا عہدہ مستقل بنیادوں پر قائم کیا گیا۔ جنرل محمد شریف کو یکم مارچ 1976 کو پہلا چیئرمین مقرر کیا گیا۔

4۔ حکومت نے اعلیٰ دفاعی آرگنائزیشن پر مئی 1976 کو وائیٹ پیپر جاری کیا جس میں دفاع اور سلامتی کے امور کے لیے آئینی انتظامات کیے گئے۔ ملکی دفاع کی حتمی ذمہ داری وزیر اعظم کو سونپی گئی جن کی مدد وزیر دفاع اور کابینہ کمیٹی برائے دفاع کرے گی۔ بعد الذکر نے سلامتی کے امور پر فیصلوں میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ایک اور سول ملٹری ادارے دفاعی کونسل سلامتی کے فیصلوں پر عملدر آمد کی ذمہ دار ہے۔ سیکورٹی امور میں فیصلہ سازی کے دیگر اہم اداروں میں وزارت دفاع، جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور اس کے چیئرمین، آرمی، نیوی اور ائیرفورس کے چیف آف سٹاف اور ہر سروس کا ہیڈ کوارٹر شامل ہیں۔

زیادہ تر تبدیلیوں نے اس وقت قدر کھو دی جب چیف آف سٹاف جنرل ضیاء الحق نے 5 جولائی 1977 کو بھٹو حکومت کو برطرف کر دیا جس کی وجوہات اس پیپر میں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ انہوں نے 1973 کا آئین معطل کر دیا اور مارشل لاء نافذ کر دیا۔ ان کے تحت پاکستان نے اپنی تاریخ کا طویل ترین مارشل لاء بھگتا (جولائی 1977 تا دسمبر 1985) آرمی ہیڈ کوارٹر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا دفتر تمام سویلین اداروں پر

حاوی ہو گیا جس میں سلامتی کے امور پر پالیسی سازی بھی شامل تھی۔ ضیاء الحق نے 1978 میں صدارت کو آرمی کمانڈ کے ساتھ اکٹھا کر دیا اور مارچ 1976 سے اگست 1988 تک چیف آف آرمی سٹاف رہے۔

جنرل ضیاء الحق نے گورننس اور سیاسی انتظام میں اعلیٰ آرمی قیادت کے کردار بڑھانے کے لیے اسلام کو استعمال کیا۔ انہوں کا کہنا تھا کہ مسلح افواج نہ صرف "ملک کی علاقائی سالمیت کی حفاظت بلکہ نظریاتی سرحدوں کی بھی حفاظت کرنی ہے"۔

ان کا ماننا تھا کہ پاکستان کے نظریہ اور اس کے اسلامک تشخص کی حفاظت کے لیے فوج کو سیاسی رہنماوں کے ہمراہ قومی سطح پر پالیسی سازی میں شمولیت کے لیے آئینی ضمانت فراہمکرنا ضروری ہے۔

فوجی حکومت کے ساتھ منسلک کچھ سینئر جنرلوں نے کھل کے جنرل ضیاء کے سیاسی عزائم کی حمایت کی۔ فوج کے حمایتی سیاستدانوں اور پریس نے ان تجاویز کی حمایت کی۔ تاہم اہم سیاسی جماعتوں اور آزاد سیاسی حلقوں نے فوج کے بڑھتے ہوئے سیاسی کردار کو آئینی تحفظ فراہم کرنے کی مخالفت کی۔

جنرل ضیاء نے اپنے سیاسی خیالات پر تنقید کو نظر انداز کرتے ہوئے مارچ 1985 میں آر سی او کے ذریعے 1973 کے آئین میں کئی تبدیلیاں کیں۔

قومی سلامتی کونسل کے قیام کے لیے آئین میں ایک نئی شق (آرٹیکل 152اے) کا اضافہ کیا گیا تا کہ اعلیٰ فوجی قیادت کو پالیسی سازی میں شامل کیا جا سکے۔ قومی سلامتی کونسل کو اختیار دیا گیا " آرٹیکل 232 کے تحت ایمرجنسی کے نفاذ کے لیے سفارشات دینا، پاکستان کی سلامتی سے متعلق یا کوئی دیگر معاملہ جو صدر وزیر اعظم کی مشاورت سے کونسل کو بھجوائے"۔

قومی سلامتی کونسل کے 11 ممبران تھے جن میں صدر، وزیر اعظم، چیئر مین سینیٹ، چیئر مین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی، آرمی، نیوی اور ائر فورس کے چیف آف سٹاف اور صوبائی وزرائے اعلیٰ (چار) شامل تھے۔

قومی سلامتی کونسل کی زیادہ تر سیاسی حلقوں نے مخالفت کی اور اکتوبر 1985 میں آئین میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے آر ایس او کو شامل کرنے کے لیے پارلیمانی منظوری کے لیے پارلیمنٹ سے ڈیل کر کے اس کو ڈراپ کر دیا۔

فوجی حلقے قومی سلامتی کونسل یا اس جیسے ادارے کے قیام کی حمایت کرتے رہے تا کہ ریاست کے اعلیٰ ترین سطح پر پالیسی سازی کے لیے فوج کی قیادت کو شامل کیا جا سکے۔

جنرل مرزا اسلم بیگ (آرمی چیف اگست 1988 تا اگست 1991) نے پالیسی سازی اور انتظامیہ میں فوج کے آئینی کردار کی شدید حمایت کی۔ انہوں نے کئی مضامین لکھے یا 1992 سے 1994 کے درمیان فیصلہ سازی میں سول ملٹری شمولیت کے حق میں بیانات دیئے۔ انہوں نے تجویز دی کہ کابینہ کمیٹی برائے دفاع کو مضبوط بنایا جائے اور توسیع دی جائے یا قومی سلامتی کونسل قائم کی جائے تا کہ فوج کی اعلیٰ قیادت پالیسی سازی میں شامل کیا جائے۔ یہ ادارے دیگر باتوں کے علاوہ اس بات کا بھی فیصلہ کر سکتی ہیں کہ حکومت کو کس حد تک اور کتنی فوج کی مدد درکار ہے۔ آرمی کو دیا گیا ٹاسک پورا کرنا چاہیے اور واپس بیرکوں میں چلے جانا چاہیے۔ ان کی دلیل ہے کہ فوج کے آئینی کردار سے مارشل لاء کا خطرہ ٹل

جائے گا۔

کونسل فار ڈیفنس اینڈ نیشنل سیکورٹی

صدر فاروق لغاری اور وزیر اعظم معراج خالد کی نگران حکومت نے جنوری 1997 کے پہلے ہفتے میں دس رکنی کونسل فار ڈیفنس اینڈ نیشنل سیکورٹی قائم کی۔ اس کے ممبران میں صدر، وزیر اعظم، چیئر مین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی، تینوں سروسز چیف، امور خارجہ، دفاع، داخلہ اور خزانہ کے وزراء شامل تھے۔

اس کی ذمہ داریوں میں وفاقی کابینہ کو دفاعی پالیسی کی تشکیل، اس کی خارجی اور داخلی پالیسیوں سے ہم آہنگی اور سلامتی اور استحکام کے دیگر امور پر سفارشات پیش کرنا شامل ہیں۔ کونسل کا پہلا اجلاس 8 جنوری 1997 کو ہوا جس میں دیگر امور کے علاوہ کرپشن میں ملوث سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کے احتساب پر تبادلہ خیال کیا گیا اور الیکشن کمیشن اور وفاقی حکومت کے 3 فروری 1997 کو انتخاب کرانے کے فیصلے کی توثیق کی گئی۔

یہ کسی حد تک غیر معمولی لگتا ہے کہ عارضی حکومت پانچ چھ ہفتوں کے لیے ایسی کونسل تشکیل دے گی۔ بہت سے ناقدین کا ماننا ہے کہ صدر لغاری نے اس کو یہ دکھانے کے لیے قائم کیا کہ فوج اس عارضی مدت کے انتظام کی حمایت کررہی ہے۔ فوج کی اعلیٰ قیادت ایسے آئینی انتظام کی تشکیل کی حمایت کرے گی جس میں انہیں سول حکومت کے اقتدار بانٹنے کا موقع ملے گا جب وہ اقتدار میں نہیں ہے۔

یہ کونسل زیادہ عرصہ نہیں چلی 1997 کے انتخابات کے بعد قائم ہونے والی نواز شریف کی دوسری مدت کی حکومت نے اس کو قائم رکھنے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ اس کی قدرتی موت ہوگئی کیونکہ اسے منظوری کے لیے پارلیمنٹ میں پیش ہی نہیں کیا گیا۔

قومی سلامتی کونسل کے فوج کا مطالبہ

قومی سلامتی کونسل کے قیام کا معاملہ ایک بار پھر اکتوبر 1998 کے پہلے ہفتے میں ابھرا۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت نے 5 اکتوبر کو نیوی وار کالج لاہور میں خطاب کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں جاری معاشی خرابیوں اور سیاسی انتظامی مسائل سے نمٹنے کے لیے موثر پالیسیوں کی تشکیل کے لیے اعلیٰ ترین سطح پر آئینی انتظام کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ "ایک قومی سلامتی کونسل یا کمیٹی فیصلہ سازی کو ادارہ جاتی ڈھانچہ دے گی اگر اس کو ماہرین کی ٹیم اور تھنک ٹینک کی خدمات حاصل ہوں"۔

بعد میں اپنے بیان کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کابینہ کمیٹی برائے دفاع میں توسیع کر کے مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ " پاکستان کو وفاقی اور صوبائی سطح پر غیر جانبدار، اہل اور محفوظ بیوروکریسی اور انتظامیہ کی ضرورت ہے"۔ انہوں نے وارننگ دی کہ پاکستان "عدم استحکام کے اقدامات کا متحمل نہیں ہوسکتا"

ان کے بیانات کو سیاسی حلقوں میں وزیر اعظم نواز شریف کی سویلین حکومت کے خلاف شدید الزام قرار دیا۔ جو کچھ جہانگیر کرامت نے کہا کہ وہ آرمی کی اعلیٰ قیادت کی مئی 1998 کے ایٹمی دھماکوں کے بعد بگڑتی ہوئی معاشی صورتحال، حکومت اور اپوزیشن کے درمیان اختلافات، فرقہ وارانہ تشدد اور حکومت کے خلاف کرپشن اور بدانتظامی کی شکایات پر بڑھتی ہوئی تشویش کا اظہار تھا۔ سینئر کمانڈر محسوس کرتے تھے کہ اس ساری پیش رفت سے فوج پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

یہ کرامت کی سول حکومت کی کارکردگی پر پہلا عوامی تبصرہ نہیں

تھا۔ 4 مئی 1998 کو انہوں نے کہا کہ پاکستان کو دفاعی خطرات سے زیادہ معاشی عدم استحکام سے خطرہ لاحق ہے"۔
انہوں نے مزید کہا کہ "پاکستان کو باہر سے زیادہ اندر سے خطرہ ہے"۔ انہوں نے بعد میں بھی یہی وارننگ دہرائی۔ ان کے تبصروں کی وجہ سے فوج کی جانب سے مارشل لاء کے نفاذ کی افواہیں سرگرم ہوگئیں۔ انہوں نے 28 ستمبر کو ان افواہوں کی تردید کی۔

اس پس منظر میں جہانگیر کرامت نے نیوی وار کالج میں ان خیالات کا اظہار کیا جس سے نواز شریف ناراض ہوگئے جو اپنی پارلیمانی اکثریت کی بنیاد پر تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے رہے تھے۔ نواز شریف نے ان تبصروں پر ناخوشی کا اظہار کیا جس پر جہانگیر کرامت نے مستعفی ہونے کی پیش کش کردی جس کو نواز شریف نے منظور کرلیا۔ جہانگیر کرامت نے اکتوبر 1998 کو استعفیٰ دیا جو ان کی اصل ریٹائرمنٹ سے تین ماہ قبل تھا۔ انہوں نے نواز شریف سے ملاقات پر دیگر جنرلوں سے مشاورت نہیں کی ورنہ وہ اسے مستعفی نہ ہونے کی صلاح دیتے۔

جنرل مشرف کی قومی سلامتی کونسل

چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے (جہانگیر کرامت کے بعد آنے والے) 12 اکتوبر 1999 کو نواز شریف کی حکومت برطرف کر کے اقتدار سنبھالا۔ پانچ دن بعد قوم سے اپنے خطاب میں انہوں نے چیف ایگزیکٹو کی سربراہی میں قومی سلامتی کونسل کے قیام کا اعلان کیا جس کے ساتھ ماہرین پر مشتمل ایک تھنک ٹینک منسلک ہوگا جو ماہرانہ مشاورت مہیا کرے گا۔

قومی سلامتی کونسل 30 اکتوبر کو چیف ایگزیکٹو کے حکم کے تحت قائم کی گئی۔ اس میں چیف ایگزیکٹو (چیئرمین)، چیف آف نیول سٹاف، چیف آف ائر سٹاف، اور چیف ایگزیکٹو کی جانب سے مقرر کردہ دیگر ممبران شامل تھے۔ ممبران چیف ایگزیکٹو کی خوشنودی سے عہدہ پر برقرار رہ سکتے ہیں۔ یہ چیف ایگزیکٹو کو سلامتی، گورننس اور سماجی امور پر مشاورت فراہم کرسکتی تھی جس پر عمل چیف ایگزیکٹو پر لازم نہیں۔ یہ قومی سلامتی، امور خارجہ، امن وامان، کرپشن، احتساب، بنکوں کے قرضوں کی واپسی، خزانہ، سماجی بہبود، تعلیم، صحت، اسلامی نظریے، انسانی حقوق، اقلیتوں اور خواتین کی ترقی سے متعلق امور پر غور کرسکتی تھی تاکہ قرارداد مقاصد میں دیئے مقاصد کو حاصل کیا جاسکے۔

قومی سلامتی کونسل کی اگست 2000 اور جولائی اگست 2001 میں دو دفعہ تشکیل نو کی گئی۔ اگست 2000 میں اس کے ممبران کو چیف ایگزیکٹو کے علاوہ چھ تک محدود کیا گیا دیگر ممبران میں نیوی اور ائر فورس کے سربراہان اور امور خارجہ، داخلہ، خزانہ اور تجارت کے وزراء شامل تھے۔

اگست 2001 میں قومی سلامتی کونسل کے ممبران میں صدر (چیئرمین)، چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی، تینوں مسلح افواج کے سربراہان، چاروں صوبائی گورنر اور صدر کے جانب سے دیگر نامزد ممبران شامل تھے۔

قومی تعمیر نو بیورو کو تھنک ٹینک کے طور پر قائم کیا گیا۔ چند مشاورتی کمیٹیاں جن میں سابق بیوروکریٹ، عوامی شخصیات اور ماہرین شامل تھے، کچھ وزارتوں جیسے امور خارجہ سے منسلک کی گئیں لیکن ان کے چند ہی اجلاس منعقد ہوئے۔

چونکہ یہ براہ راست فوجی حکومت کا دور تھا اس لیے قومی سلامتی کونسل چیف ایگزیکٹو/صدر، کور کمانڈرز اجلاس اور کابینہ کے پیچھے چھپ گئی اور قومی امور پر اہم ادارے کے طور پر نہیں ابھر سکی۔ 2001 میں تشکیل نو کے بعد بھی یہ سائیڈ لائن پر ہی رہی اور اختیارات صدر مشرف کے پاس رہے جو آرمی

چیف، صدر، چیف ایگزیکٹو اور چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی (7 اکتوبر 2001 تک) کے چار عہدوں کے حامل تھے۔ وہ کور کمانڈروں ، پرنسپل سٹاف افسر اور کابینہ سے مشاورت کرتے تھے۔

21 اگست 2002 کو صدر مشرف نے ایل ایف او جاری کیا جس میں 1973 کے آئین میں بہت سی تبدیلیاں کی گئیں۔ اس میں ایک تبدیلی آئین میں آرٹیکل 152 اے کا اضافہ تھا جس میں قومی سلامتی کونسل صدر کی زیر صدارت مشاورتی فورم کے طور پر قائم کی گئی تا کہ اعلیٰ سطح پر پالیسی سازی میں فوجی قیادت کی شمولیت کو آئینی ضمانت فراہم کی جا سکے۔

فوج کی حمایتی پاکستان مسلم لیگ ق اور اس کے اتحادیوں کے علاوہ سیاسی جماعتوں پی پی پی، پی ایم ایل این، ایم ایم اے اور دیگر چھوٹی جماعتوں نے ایل ایف او کے ذریعے آئین میں تبدیلیوں کے صدر کے فیصلے پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے خاص طور پر قومی سلامتی کونسل کی تشکیل کو تنقید کا نشانہ بنا نا ان کے مطابق یہ فوج کو سویلین سیاسی حدود میں مزید مداخلت کا آئینی جواز مہیا کرے گی۔ دسمبر 2003 میں ایم ایم اے اور مشرف حکومت کے درمیان اگست 2002 کے ایل ایف او کی چند تبدیلیوں کے ساتھ پارلیمانی منظوری پر اتفاق رائے ہو گیا۔ یہ اسی طرح تھا جیسے اکتوبر 1985 میں آٹھویں ترمیم پارلیمنٹ سے منظور کرائی گئی تھی۔ اس دفعہ پارلیمنٹ نے ایل ایف او کو قانونی شکل دینے کے لیے سترہویں ترمیم منظور کی۔

مشرف حکومت اور ایم ایم اے کے درمیان مفاہمت کی ایک شق یہ تھی کہ قومی سلامتی کونسل آئین کا حصہ نہیں ہوگی اور اسے پارلیمنٹ سے عام قانون سازی کے ذریعے قائم کیا جائے گا۔ پی پی پی، پی ایم ایل این اور اپوزیشن کی دیگر جماعتیں ایم ایم اے حکومت مفاہمت اور سترہویں ترمیم کی منظوری سے الگ رہیں۔

قومی سلامتی کونسل قانون 2004

مشرف حکومت نے 2 اپریل 2004 میں قومی سلامتی کونسل کے قیام کا بل قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ اس پر پی پی پی، پی ایم ایل این اور اپوزیشن کی دیگر چھوٹی جماعتوں کے شدید احتجاج اور واک آوٹ کے باوجود 2، 5، 6 اور 7 کو اسمبلی میں بحث ہوئی۔ اگر چہ ایم ایم اے نے حکومت کے ساتھ قومی سلامتی کونسل کو عام قانون سازی کے ذریعے قائم کرنے کے لیے معاہدے پر دستخط کیے تھے لیکن اس نے اپنی پوزیشن تبدیل کر لی اور قومی سلامتی کونسل کی مخالفت کی۔

جب قومی سلامتی کونسل کا بل قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے قانون و پارلیمانی امور کو بھجوایا گیا تو حکمران جماعت پی ایم ایل کیو اور اس کے اتحادیوں نے 35 منٹ میں اس کی منظوری دے دی۔ اپوزیشن جماعتیں کمیٹی میں منظوری اور اسمبلی میں ووٹنگ کے دوران غیر حاضر رہیں۔

سینیٹ میں قومی سلامتی کونسل کا بل 9 اپریل کو پیش ہوا اس پر 12، 13 اور 14 اپریل کو بحث ہوئی لیکن بحث کافی حد تک یکطرفہ رہی کیونکہ اپوزیشن نے بل کی مخالفت کی اور واک آوٹ کیا۔

صدر نے بل پر 19 اپریل کو دستخط کیے اور پہلی مرتبہ قومی سلامتی کونسل پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے تشکیل پائی۔

وزیر اعظم میر ظفر اللہ جمالی نے کہا کہ قومی سلامتی کونسل صدر کے اسمبلی برخاست کرنے کے اختیار پر چیک ہوگا اور اس طرح یہ "نظام کو بچانے کے لیے سیفٹی والو کا کام دے گی"۔ یہ نکتہ نظر اسمبلی کے اندر اور باہر اپوزیشن جماعتوں نے مسترد کر دیا۔

پاکستان میں قومی سلامتی کونسل (2004-2008)

i۔ صدر (چیئرمین)

ii۔ وزیراعظم

iii۔ چیئرمین سینیٹ

iv۔ اسپیکر قومی اسمبلی

v۔ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی

vi۔ آرمی، ائرفورس اور نیوی کے سربراہان

vii۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف

viii چاروں صوبائی وزرائے اعلیٰ

قومی سلامتی کونسل کا سیکریٹریٹ سیکریٹری کی سربراہی میں قائم کیا گیا جسے صدر مقرر کریں گے۔ایک ریٹائرڈ بیوروکریٹ طارق عزیز نے صدر مشرف کے استعفیٰ 8اگست 2008 تک سیکریٹری کا عہدہ سنبھالے رکھا۔وفاقی کابینہ کے ممبران، سینئر حکام اور دیگر قومی سلامتی کونسل کے اجلاس میں مدعو کرنے پر شرکت کر سکتے تھے۔

پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قومی سلامتی کونسل کو مندرجہ ذیل ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

الف) کونسل صدر اور حکومت کو قومی سلامتی کے معاملات میں مشاورت دینے کا فورم ہوگا ان میں ریاست کی خودمختاری، سالمیت، دفاع، سلامتی اور ہنگامی صورتحال شامل ہوں گے۔

ب) کونسل اوپر بیان کیے گئے امور پر صدر اور حکومت کو مشاورت دے گی۔

ج) قومی اہمیت کا کوئی بھی معاملہ جس پر عملدرآمد کی ضرورت ہوگی قومی اسمبلی یا سینیٹ کی جانب سے کونسل کو بھجوایا جائے گا تاکہ مناسب کارروائی کی جاسکے۔

ابتدائی طور پر قومی سلامتی کونسل کے بل میں تجویز کیا گیا تھا کہ قومی سلامتی کونسل "جمہوریت، گورننس اور بین الصوبائی رابطے سے متعلقہ امور" کو بھی دیکھے گی لیکن بعد میں اس فقرے کو ہنگامی صورتحال سے نمٹنے میں تبدیل کر دیا اور اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔

2004 میں صدر مشرف نے وضاحت کی کہ قومی سلامتی کونسل پارلیمنٹ سے بالاتر نہیں اور صدر کے دفتر پر چیک رکھے گی کیونکہ صدر اپنے اختیارات قومی سلامتی کونسل کی مشاورت کے بغیر استعمال نہیں کرے گا۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ قومی سلامتی کونسل مارشل لاء کے نفاذ کو روکے گی کیونکہ آرمی چیف اس فورم کے ذریعے پالیسیوں، گورننس اور سیاسی انتظامات پر آواز اٹھا سکتا ہے اور ان پالیسیوں میں بہتری کے لیے کہہ سکتا ہے۔

آرمی حمایتی سیاسی حلقوں خصوصاً پی ایم ایل کیو نے دلیل دی کہ قومی سلامتی کونسل فوج اور سول حکام کے درمیان بہتر تعاون اور رابطے کا باعث ہوگی جس سے سیاسی استحکام اور پالیسیوں کے تسلسل کو یقینی بنایا جاسکے گا۔انہوں نے یہ بھی دلیل دی کہ قومی سلامتی کونسل فوجی حکام کو کوئی نئے اختیارات نہیں دی رہی بلکہ اس سے ان کے پہلے سے ہی پھیلے ہوئے کردار کو آئینی اور قانونی دائرہ کار میں لے آیا گیا ہے۔قومی سلامتی کونسل کی سفارشات حکومت یا پارلیمنٹ پر لازم نہیں۔

اپوزیشن سیاسی جماعتوں نے قومی سلامتی کونسل کے قیام کی بھرپور مخالفت کی کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ یہ جمہوریت کی روح کے خلاف ہے جس میں اولین ترجیح منتخب پارلیمنٹ کی بالادستی ہے۔قومی سلامتی کونسل سے فوج کے بڑھتے ہوئے کردار کو قانونی تحفظ مل جائے گا حکومتی اور سیاسی

معاملات میں اس کی مداخلت بڑھ جائے گی۔ان کا کہنا تھا کہ ایسا فوج کے زیر اثر سیاسی ماحول میں سول اداروں کی ترقی اور مضبوطی ممکن نہیں۔اعلیٰ فوجی قیادت جمہوری اور سویلین عمل پر چھائی رہے گی۔

قومی سلامتی کونسل کا پہلا اجلاس 24 جون 2004 میں ہوا جس کا قائد حزب اختلاف مولانا فضل الرحمان اور سرحد کے وزیر اعلی اکرم خان درانی نے بائیکاٹ کیا۔دونوں کا تعلق ایم ایم اے سے تھا۔صدر مشرف نے ان کی عدم شرکت پر کھلے عام ناراضگی کا اظہار کیا۔چیئرمین سینیٹ بیرون ملک دورے پر ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔امور خارجہ اور داخلہ کے وفاقی وزراء، گورنر سرحد اور نائب چیف آف آرمی سٹاف نے خصوصی مدعوین کی حیثیت سے شرکت کی۔

قومی سلامتی کونسل نے داخلی سلامتی کی صورتحال کا جائزہ لیا اور دہشت گردی، انتہا پسندی اور فرقہ وارایت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنے کا عزم ظاہر کیا۔اس نے داخلی سلامتی کی صورتحال میں بہتری کے لیے مختلف وفاقی و صوبائی اداروں کے درمیان تعاون بہتر بنانے پر زور دیا۔جولائی 2006 تک قومی سلامتی کونسل کے 8 اجلاس ہوئے لیکن جولائی 2006 سے جنوری 2008 تک کونسل کے اجلاس زیادہ باقاعدگی سے نہیں ہوئے اس کی وجہ مشرف حکومت کی مختلف مسائل میں گھر جانا تھا جن میں لال مسجد کا واقعہ، چیف جسٹس کی برطرفی اور وکلاء کی چیف جسٹس کی بحالی کی تحریک، بڑھتے ہوئے خودکش حملے اور 3 نومبر 2007 کو ایمرجنسی کا نفاذ وغیرہ شامل ہیں۔

ان مسائل کی پیچیدگیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مشاورت اور مدد کے لیے قومی سلامتی کونسل کے زیادہ بھرپور کردار کی توقع کی جاسکتی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔اہم فیصلے صدر مشرف نے فوجی اور سول مشیروں کی مشاورت سے کیے۔

پیپلز پارٹی حکومت: قومی سلامتی کونسل متروک

فروری 2008 کے عام انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی کی اتحادی حکومت نے مارچ 2008 سے اقتدار سنبھالنے کے بعد قومی سلامتی کونسل کو فعال نہیں کیا۔قومی سلامتی کونسل کے قانون کو پارلیمنٹ سے منسوخ نہیں کرایا گیا لیکن سول حکومت نے قومی سلامتی کونسل کا کوئی اجلاس طلب نہیں کیا نہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

اہم حزب اختلاف کی جماعت پی ایم ایل این بھی قومی سلامتی کونسل کی مخالف ہے اس لیے فی الحال تو یہ باب بند ہی نظر آتا ہے۔

میثاق جمہوریت

قومی سلامتی کونسل کی معطلی کی وجہ مئی 2006 میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کے درمیان مستقبل کے سیاسی لائحہ عمل کے لیے دستخط ہونے والی دستاویز ہے جسے میثاق جمہوریت کا نام دیا گیا اور اس پر مئی 2006 میں لندن میں دستخط ہوئے۔اس میں فوج کے کردار کو کم کرنے اور سویلین بالا دستی قائم کے لیے کئی شقیں موجود ہیں۔ان میں ایک شق میں قومی سلامتی کونسل کے خاتمے اور کابینہ کمیٹی برائے دفاع کو قومی سلامتی اور دفاع سے متعلق فیصلہ سازی کے لیے بنیادی ادارہ بنانے پر زور دیا گیا۔دیگر جماعتوں نے میثاق جمہوریت کی شقوں کی حمایت کی۔پیپلز پارٹی نے 2008 کے انتخابی منشور میں قومی سلامتی کونسل کو کابینہ کمیٹی برائے دفاع سے تبدیل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

قومی سلامتی امور کا انتظام

غیر رسمی انتظامات اور آئینی طریقہ کار کے ذریعے سلامتی اور خارجہ پالیسی کے امور کا دھیان کیا جاتا ہے۔ان معاملات میں 2008 سے سول حکومت اور پارلیمنٹ کے کردار میں سست روی سے اضافہ ہوا ہے۔اگرچہ فوج اور آئی ایس آئی خارجہ پالیسی اور سلامتی کی پالیسیوں میں اہم اور بعض اوقات فیصلہ کن رائے دیتی ہے۔

سلامتی اور امور خارجہ کی پالیسی سازی میں وقت کے ساتھ فوج اور انٹیلی جنس کا کردار بڑھا ہے۔آزادی کے شروع کے سالوں میں ملکی سلامتی پر بیرونی دباؤ نے پاکستان کو سیکورٹی سٹیٹ بنا دیا اور سلامتی کے معاملات کو دیگر امور پر سبقت حاصل ہوگئی۔اس سے دفاع و سلامتی میں فوج اور انٹیلی جنس کے کردار میں اضافہ ہوگیا۔

پاکستان میں اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں داخلی تشدد اور دہشت گردی میں اضافہ ہوا ہے۔سول انتظامیہ، پولیس اور سول انٹیلی جنس ادارے اس چیلنج سے نمٹنے میں ناکام رہے۔جس کے بعد فوج کو حرکت میں لانا پڑا خصوصاً فوج اور پیراملٹری فورسز تشدد اور دہشت گردی کی سرگرمیوں سے نمٹ رہی ہیں۔فوج اور پیراملٹری فورسز 2003 سے فاٹا میں انسداد دہشت گردی میں مصروف ہیں۔ائر فورس انسداد دہشت گردی کی کارروائیوں میں فوج کو اہم مدد فراہم کرتی ہے۔اس سے دہشت گردی، اس سے متعلقہ مسائل اور مجموعی سلامتی کے امور میں پالیسی سازی اور انتظامات میں فوج کا کردار اور اثر مضبوط ہوا ہے۔

سیاسی طاقت کے طور پر سول کی تنزلی اور فوج کے عروج سے بھی پالیسی سازی میں فوج کا کردار بڑھا ہے۔براہ راست فوجی اقتدار کے زمانے میں فوج وزارتوں کو کنٹرول کرتی ہے جس سے سول بیوروکریسی اس کے ماتحت کام کرتی ہے ۔اس سے آرمی ہیڈکوارٹر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کو سول بیوروکریسی پر واضح برتری حاصل ہوتی ہے۔

ریٹائرڈ اور حاضر سروس فوجی افسران کی سول بیوروکریسی میں شمولیت سے یہ رجحان اور مضبوط ہوا ہے۔مثال کے طور پر وزارت دفاع ضیاء الحق کے دور میں فوج کے زیر اثر چلی گئی اور اس کے اہم عہدوں پر حاضر سروس اور ریٹائرڈ فوجی افسران کو لگا دیا گیا جس سے وزارت کا سول ڈھانچہ اور خود مختاری فوج کے ماتحت آگئی۔

سلامتی اور خارجہ پالیسی میں فوج اور انٹیلی جنس کا کردار سب سے زیادہ 1980 کی دہائی میں بڑھا جب جنرل ضیاء کی فوجی حکومت نے امریکا اور مغربی قوتوں اور بعض اسلامی ممالک کے ساتھ افغانستان کی روسی فوجوں کے ساتھ مزاحمت کے لیے الحاق کرلیا۔ایک دہائی تک فوج اور آئی ایس آئی نے پاکستان کی خارجہ پالیسی اور سلامتی کے معاملات کو اپنے کنٹرول میں رکھا اور امریکن سی آئی اے اور دیگر ذرائع سے اسلحہ اور فنڈز کو افغان مزاحمتی گروہوں کو فراہم کیا جو پاکستان میں تربیت حاصل کررہے تھے۔

سول حکومتوں کے قیام (1988-1999) کے بعد بھی سلامتی اور خارجہ پالیسی میں ان کا تسلط برقرار رہا۔افغانستان ، کشمیر، بھارت، امریکا ، اسلامی عسکریت پسند ، نیوکلیئر پروگرام ، دفاعی اخراجات اور فوجی ساز و سامان کی خریداری جیسے امور پر خارجہ اور سلامتی کی پالیسی میں سول حکومت اور دفتر خارجہ کی رائے فوج کی نکتہ نظر کے بعد آتی تھی۔

اکتوبر 1999 میں جنرل مشرف کی فوجی حکومت کے قیام کے بعد فوج کے سلامتی اور خارجہ پالیسی میں کردار کو مزید مضبوط کردیا۔دفتر خارجہ اور

وزارت دفاع کی خودمختاری مکمل طور پر ختم ہوگئی۔

1988-1999 کے سویلین دور حکومت میں سلامتی اور خارجہ پالیسی کے اہم فیصلے صدر، وزیراعظم اور آرمی چیف کے درمیان غیر رسمی اجلاسوں میں ہوتے تھے جو وقتاً فوقتاً ملتے رہتے تھے۔آرمی ہیڈکوارٹر سوائے عمومی معاملات کے وزارت دفاع کے بجائے ایوان صدر اور وزیراعظم ہاوس سے براہ راست رابطہ کرتا تھا۔

وزیرخارجہ کا کرداراس کی ذاتی صلاحیتوں پر منحصر ہوتا تھا۔جس میں اس کی پیشہ وارانہ صلاحیت، سیاسی حیثیت، وزیراعظم کے ساتھ تعلقات اورفوج کی اعلیٰ قیادت کے ساتھ صحیح طور پر کام کرنے کی صلاحیت شامل ہیں۔خورشید محمود قصوری اور شاہ محمود قریشی، حنا ربانی کھر کی نسبت زیادہ اہلیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

سلامتی اور خارجہ پالیسی کا یہ طریقہ کار کچھ تبدیلیوں کے ساتھ 2008 کی منتخب سویلین حکومت میں بھی نافذ العمل ہے۔صدر، وزیراعظم اور آرمی چیف علیحدگی یا اکھٹے ملتے رہتے ہیں۔چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی بھی صدر اور وزیراعظم سے ملتے ہیں۔نیوی اور ائرفورس کے سربراہان صدر اور وزیراعظم سے کم تواتر سے ملتے ہیں۔دفاع اور خارجہ کے وزراءان ملاقاتوں میں کم ہی موجود ہوتے ہیں۔

چونکہ قومی سلامتی کونسل فراموش کی جا چکی ہے کابینہ کمیٹی برائے دفاع ماضی کی نسبت زیادہ اہمیت حاصل کرلی ہے۔

کابینہ کمیٹی برائے دفاع

کابینہ کمیٹی برائے دفاع وزیراعظم اور دفاع، امور خارجہ اور خزانہ کے وزراء پر مشتمل ہوتی ہے۔اجلاس میں باقاعدگی سے شرکت کرنے والوں میں چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی، آرمی، نیوی اور ائرفورس کے سربراہان اوروزارت خارجہ، دفاع اور خزانہ کے سیکریٹریز شامل ہیں۔کسی بھی دوسرے عہدے دارکو اجلاس میں مدعو کیا جاسکتا ہے۔

پلڈاٹ کی جانب سے "کابینہ کمیٹی برائے دفاع کی کارکردگی" کے جائزے پر مارچ 2012 میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق کمیٹی نے مارچ 2008 سے مارچ 2012 کے دوران کل 9 اجلاس منعقد کیے۔پلڈاٹ کی رپورٹ کے مطابق یہ اجلاس "اپنی نوعیت میں ردعمل میں تھے جو کسی معاملہ یا بحران کے بعد طلب کیے گئے"۔

کابینہ کمیٹی برائے دفاع کا پیپلز پارٹی حکومت میں پہلا اجلاس 8 دسمبر 2008 میں ہوا جس میں 26 نومبر 2008 میں بھارت کے شہر ممبئی پر ہونے والے حملے کے بعد پاکستان پر ڈالے جانے والے دباؤ کے بعد سلامتی کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو شائد کمیٹی کا دسمبر میں اجلاس نہ ہوتا۔دیگر اجلاس 21 مارچ 2009، 5 جنوری 2010، 3 دسمبر 2010، 12 مئی 2011، 26 مئی 2011، 18 اگست 2011، 26 نومبر 2011 اور 14 جنوری 2012 کو منعقد ہوئے۔

فعال پارلیمنٹ

پارلیمنٹ اور اس کی کمیٹیوں اور کابینہ کمیٹی برائے دفاع کا کردار بڑھا ہے۔فوجی قیادت سلامتی کی صورتحال پر پارلیمنٹ اور سول حکومت کو زیادہ باقاعدگی سے بریفنگس دینے لگی ہے۔
پارلیمانی کمیٹی برائے قومی سلامتی میں دونوں ایوانوں کی نمائندگی ہے یہ اکتوبر 2008 میں قومی سلامتی پر پارلیمنٹ کے مشترکہ سیشن کی قرارداد کے نتیجے میں نومبر 2008 میں تشکیل دی گئی۔اس کی سربراہی سینیٹر رضا ربانی کے پاس ہے اور اس کے مارچ 2012 تک 14 ممبران

ہیں۔پلڈاٹ کی مارچ 2012 میں شائع ہونے والی "پارلیمانی کمیٹی برائے قومی سلامتی کی کارکردگی" کی رپورٹ کے مطابق کمیٹی نے نومبر 2008 سے مارچ 2012 تک 63 اجلاس منعقد کیے جب اس نے پارلیمنٹ کے مشترکہ سیشن میں پاکستان کے راستے افغانستان میں نیٹو اور امریکا کو سپلائی اور پاک امریکا تعلقات پر سفارشات پیش کیں۔کچھ سیاسی جماعتوں نے سفارشات پر اعتراضات اٹھائے جس پر کمیٹی نے مشترکہ سیشن میں سامنے آنے والی تجاویز کی روشنی میں سفارشات پر نظر ثانی کی۔اس کی نظر ثانی شدہ سفارشات مشترکہ سیشن میں 12 اپریل کو پیش کی گئیں اور اسی روز منظور ہوگئیں۔کمیٹی نے اپنے اجلاسوں میں وسیع پیمانے پر سلامتی اور خارجہ سے متعلق امور پر غور کیا۔

قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے دفاع اپریل 2008 میں منتخب ہوئی پلڈاٹ کی رپورٹ "قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے دفاع کی کارکردگی" (مارچ 2012) کے مطابق کمیٹی نے اپریل 2008 سے مارچ 2012 کے دوران 36 اجلاس منعقد کیے۔جس میں دفاعی بجٹ،مہران بیس پر حملے،ائر پورٹس ، پی آئی اے،حج کے امور اور بلوچستان کے معاملات کا جائزہ لیا۔ڈاکٹر عذرا فضل پیچوہو کمیٹی کی چیئر پرسن ہیں اور اس کے 17 ممبران ہیں۔

سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے دفاع و دفاعی پیداوار جولائی 2009 میں قائم ہوئی اس کے 12 ممبران ہیں اور لیفٹیننٹ جنرل (ر) جاوید اشرف قاضی اس کے چیئرمین رہے۔کمیٹی کی جولائی 2009 سے مارچ 2012 تک 34 اجلاس منعقد ہوئے جن میں تقریبا انہی امور پر بحث کی گئی جو قومی اسمبلی قائمہ کمیٹی میں زیر بحث آئے۔اس میں پاک افغان سرحد سلالہ چیک پوسٹ پر نیٹو کے حملے پر بھی تبادلہ خیال کیا گیا۔

قومی اسمبلی کی پبلک اکاونٹس کمیٹی نے بھی دفاعی اخراجات اور فوج کے مالی معاملات بشمول اس کی تجارتی و معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔بعض اوقات فوج کمیٹی کی جانچ پڑتال سے بہت غیر مطمئن نظر آئی۔

پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاسوں اکتوبر 2008،مئی 2011 اور مارچ اپریل 2012 میں دفاع اور سلامتی کے امور کا جائزہ لیا۔پہلے دو مواقع پر قراردادیں منظور کی گئیں جبکہ تیسرے موقع پر پارلیمانی کمیٹی برائے قومی سلامتی کی نظر ثانی شدہ سفارشات کو مشترکہ سیشن میں متفقہ طور پر اپنایا گیا۔

فوج اور آئی ایس آئی نے کی اعلیٰ قیادت نے اکتوبر 2008 اور مئی 2011 میں مشترکہ سیشن میں بریفنگس دیں۔سینئر حکام نے اوپر بیان کی گئی کمیٹیوں کو بھی بریفنگس دیں۔ان کمیٹیوں کے ممبران نے آرمی ہیڈکوارٹر میں بریفنگس لینے اور سینئر فوجی حکام سے تبادلہ خیال کے لیے دورہ کیا۔ایک دورہ آئی ایس آئی ہیڈکوارٹر کا بھی کیا گیا۔ایک سے زائد دفعہ آرمی چیف اور دیگر سینئر فوجی حکام نے وفاقی کابینہ اور سیاسی جماعتوں کے رہنماوں کو بریفنگ دی۔

پارلیمانی کمیٹیوں میں اعلیٰ فوجی حکام کی بریفنگ کی روایت 2002-2007 میں بھی تھی۔یہ 2008 کے بعد باقاعدگی سے بڑھی۔پہلے ادوار میں یہ روایت بہت کم تھی اگرچہ وزارت دفاع پبلک اکاؤنٹس کمیٹی میں آڈٹ رپورٹ کے جائزے کے وقت اپنا موقف دینے پیش ہوتی تھی لیکن فوجی ہیڈکوارٹر سے ہر دفعہ پارلیمانی سوالات کے جوابات نہیں دیئے جاتے تھے۔

تجزیہ اور بدلتے رجحانات

قومی سلامتی کونسل یا اس جیسے ادارے کا تجزیہ سیاسی نظام کے تناظر میں کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کا کردار مشاورتی ہی ہوایسے ادارے کی حقیقی شراکت سیاسی تاریخ اور رجحانات پر منحصر ہوتی ہے۔ مستحکم جمہوریتوں میں قومی سلامتی کونسل جیسے اداروں کا کردار محدود اور مشاورتی ہوتا ہے۔ اعلی فوجی قیادت کا کردار دوسرے درجے کا ہوتا ہے اور سویلین بالادستی مستحکم ہوتی ہے۔

ایسے سیاسی نظاموں میں جہاں گورننس اور سیاسی انتظامات میں براہ راست یا بالواسطہ فوجی مداخلت کی روایت ہوقومی سلامتی کونسل جیسے ادارے اعلی فوجی قیادت کو پالیسی سازی میں شمولیت کے لیے آئینی و قانونی تحفظ اور سویلین یا نیم سویلین حکومت کی نگرانی کا راستہ فراہم کرتے ہیں جب فوج براہ راست اقتدار میں نہیں ہوتی۔ یہ اعلیٰ فوجی قیادت کی سویلین رہنماوں کو دباؤ میں رکھنے اور اگر پالیسیاں ان کی مرضی کی خلاف ہوں تو اختلاف کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

امریکا میں قومی سلامتی کونسل صدر کو مشاورت فراہم کرتی ہے جو حکومت کو صدارتی نظام کے تحت آئین و قانون کے دائرہ کار میں رہ کر چلاتا ہے۔ چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف واحد یونیفارم میں ملبوس افسر ہیں جو قومی سلامتی کونسل کی کارروائی میں فوجی امور پر مشیر کے طور پر شریک ہوتے ہیں۔ کونسل فوجی حکام کی رائے اور کردار کو محدود اور سول بالادستی کو فروغ دیتی ہے۔ کئی سالوں سے صدر کے قومی سلامتی کے مشیر جو کہ سویلین ہوتے ہیں، نے زیادہ اہمیت حاصل کرلی ہے۔ وقتاً فوقتاً ریٹائرڈ فوجی افسران بھی اس عہدے پر فائز رہے ہیں۔

بھارت کے معاملے میں فوج کی قومی سلامتی کونسل کے بڑے ادارے میں کوئی نمائندگی نہیں جس میں وزیراعظم کی صدارت میں حکومت کے اہم ترین اراکین شریک ہوتے ہیں۔
تاہم کوئی بھی سروس چیف اجلاس میں مدعو کیا جاسکتا ہے۔ سروسز چیف باقاعدگی سے کونسل کے دوسرے درجے (سٹرٹیجک پلاننگ گروپ) میں شریک ہوتے ہیں جس کے زیادہ تر ممبران یونین وزارتوں کے سیکریٹری ہیں اس کی صدارت کابینہ سیکریٹری کرتے ہیں۔ تیسرا درجہ اہم شخصیات پر مشتمل ہے جو قومی سلامتی کونسل کے کام میں بطور تھنک ٹینک مدد کرتے ہیں۔

یہ انتظامات سول اور سیاسی اداروں اور رہنماوں کی فوج پر بالادستی کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ فوج کے زیر تسلط نظام میں ناقابل یقین ہے کہ سروسز چیف کو نچلے درجے کی کمیٹی میں رکھا جائے اور سینئر سول افسران کے ساتھ رکھا جائے۔

ایران کی سپریم کونسل برائے قومی سلامتی مجموعی سیاسی نظام کی آئینہ دار ہے جہاں سپریم لیڈر کی قیادت میں علماء حاوی ہیں۔ کونسل کے 14 ممبران میں دو کا تعلق فوج اور ایک کا اسلامی پاسداران انقلاب سے ہے۔ کونسل کے فیصلے سپریم لیڈر کی توثیق کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتے۔ سپریم لیڈر کا صدر کے ساتھ مل کر اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کو مدد فراہم کرتی ہے۔ ایسا کوئی ثبوت نہیں جس سے پتا چلے کہ فوج یا پاسداران انقلاب کے اعلیٰ حکام نے کبھی سپریم لیڈر، صدر، پارلیمنٹ یا دیگر آئینی اداروں کے اختیارات یا کردار حاصل کرنے کوشش کی ہو۔ یہ ایران کی عراق کے ساتھ جنگ (1980-1988) کے دور پر بھی صادق آتا ہے۔

اسرائیل کی ریاست میں سلامتی کے امور کو عموماً اولین ترجیح دی جاتی ہے اور کئی سابق جنرلوں نے سیاست میں حصہ لیا اور اہم سیاسی عہدوں پر فائز

ہوئے۔ان کا سیاسی عروج آئینی اور انتخابی طریقے سے ہوا۔قومی سلامتی کونسل ایک سویلین ادارہ اور حکومت کا تشکیل کردہ ہے جو وزیر اعظم سیکریٹریٹ میں بطور یونٹ کام کرتا ہے اور وزیر اعظم کی متعین کردہ حدود میں رہتا ہے۔وزیر اعظم کابینہ، کابینہ کمیٹی برائے قومی سلامتی اور فوج کی اعلیٰ قیادت سے بھی مشاورت کرتے ہیں۔تاہم وزیر اعظم سیاسی نظام میں حکم چلاتے ہیں۔

ترکی ایسے سیاسی نظام کی عمدہ مثال ہے جہاں گورننس اور سیاسی انتظامات میں فوج کے کردار کی طویل روایت موجود ہے۔اس لیے یہ بات قابل حیرت نہیں کہ قومی سلامتی کونسل روایتی طور پر اعلیٰ فوجی قیادت کے لیے پالیسی سازی میں اثرات اور ان پر عملدرآمد کے لیے اہم فورم رہا ہے۔اعلیٰ فوجی قیادت نے گورننس اور سیاست پر اثر انداز ہونے کے لیے قومی سلامتی کونسل اور دیگر غیر رسمی طریقوں کو استعمال کیا ہے۔قومی سلامتی کونسل کے کردار اور مسلح افواج کو قومی سلامتی قانون 1983 اور ترکش ائرفورس انٹرنل سروس قانون 1961 نے مزید مضبوط کر دیا۔

ترک فوج کا سیاست میں کردار ینگ ترک (1908) کے زمانے سے ہے اور جدید ترک ریاست کے قیام میں فوج کا اہم کردار ہے ترکی نومبر 1923 میں ریپبلک بنا اور مصطفیٰ کمال اس کے پہلے صدر بنے۔ترکی نے خلافت ختم کر کے اپریل 1924 میں ملک کا پہلا جمہوری اور ریپبلک آئین بنایا۔

فوج مئی 1960 تک سائیڈ لائن پر رہی جب جنرل کیمل گورسل نے اقتدار سنبھالا۔جولائی 1961 کو ملک میں نئے آئین کی تحت سول حکومت بحال ہوئی۔فوج نے ستمبر 1980 کو جنرل کعنان ایورن فوجی انقلاب لائے انہوں نے نومبر 1982 میں نیا آئین تشکیل دیا اور سویلین اور آئینی حکومت بحال ہوئی۔

1960 سے فوج سیاست میں فعال کردار ادا کرتی رہی بعض اوقات فیصلہ سازی پر حاوی رہی اور حکومتی تبدیلیوں کا سبب بنی۔اس نے 1961 میں قومی سلامتی کونسل تشکیل دی جو 1982 کے آئین میں بھی قائم رہی۔اس سے اعلیٰ فوجی قیادت کو پالیسی سازی پر اثر انداز ہونے اور حکومت کی کارکردگی کی نگرانی کا راستہ میسر آیا۔

1960 سے 1989 تک تمام ترک صدر فوجی پس منظر کے رہے۔(کیمل گورسل 1960-1966، کیوڈٹ سنی 1966-1973، فہری کورو ترک 1973-1980، کعنان ایورن 1980-1989)۔نومبر 1989 کو ترگت اوزال جو کہ سویلین سیاسی رہنما تھے انہوں نے صدارت سنبھالی لیکن فوجی حمایت حاصل رہی۔وہ کعنان ایورن کی فوجی حکومت کے قریب رہے اور 1983 میں فوجی اقتدار کے خاتمے کے بعد پہلے سویلین وزیر اعظم بنے۔اوزال کے پیشرو (سلمان ڈیمرل 1993-2000، احمت سیزر 2000-2007) سویلین تھے جنھیں فوج کی حمایت حاصل تھی۔

2007 میں صدارتی انتخابات ملتوی ہوگئے کیونکہ فوج کو جسٹس اینڈ ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی امیدوار عبداللہ گل کے اسلامی تشخص پر تحفظات تھے۔یہ کچھ سیاسی جدوجہد اور اے کے پارٹی کی دوسری دفعہ کامیابی کے باعث عبداللہ گل صدر منتخب ہوئے۔فوج نے صدارت میں ان کو تسلیم کرنے میں وقت لگایا۔اہم فوجی کمانڈروں نے 1993 اور 2000 میں اپنی ترجیح سے سیاسی قیادت خصوصاً وزیر اعظم کو آگاہ کیا۔

ترکی کے تجربے نے ثابت کیا کہ قومی سلامتی کونسل کا قیام فوج کے براہ راست اقتدار سنبھالنے کو نہیں روکتا۔فوج کی اعلیٰ قیادت اس وقت تک قومی سلامتی کونسل کے ذریعے کردار ادا کرتی رہتی ہے جب تک چیزیں ان کی مرضی سے ہو رہی ہوں۔جب وہ اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ قومی سلامتی

کونسل ان کے ایجنڈے کو پورا کرنے میں ناکام ہو رہی ہے یا وہ سیاسی عمل میں تبدیلیوں پر اثر انداز ہونے کی پوزیشن میں نہیں رہے وہ گورننس اور سیاسی انتظام پر اثر انداز ہونے کے لیے دیگر آپشن استعمال کرتے ہیں۔ان آپشنز میں حکومتی پالیسیوں سے الگ ہو کر حکومت پر براہ راست پریشر ڈالنا، سیاسی پیش رفت پر حکومت کو رسمی یا غیر رسمی چینلز کے ذریعے اپنی آراء پہنچانا، سیاسی و معاشی امور پر عوامی تبصرے کرنا، حکومت کی عارضی یا مکمل تبدیلی اور براہ راست اقتدار سنبھالنا شامل ہیں۔

1961 سے ترکی میں قومی سلامتی کونسل کسی نہ کسی طرح کام کر رہی ہے تاہم ترک فوج نے سیاست پر وقتاً فوقتاً اثر انداز ہونے کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کیے ہیں۔

1971: اعلیٰ فوجی قیادت نے حکومت پر دائیں اور بائیں بازو کے تشدد اور ترکی کے مختلف حصوں میں سیاسی قتل روکنے کے لیے دباؤ ڈالا۔ بعد میں وزیر اعظم کو زبردستی برطرف کر کے فوج کو قابل قبول نیا وزیر اعظم لایا گیا۔ متاثرہ علاقوں میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

1979: سیاسی اور معاشی بحران کے مدنظر فوجی کمانڈروں نے صدر کے ذریعے ستمبر میں سیاسی حکومت کو صورتحال بہتر بنانے کا کہا۔ جنوری 1980 میں کشیدہ داخلی صورتحال پر آرمی چیف کا خط وزیر اعظم کو پہنچایا گیا۔

1980: جنرل کعنان ایورن نے ستمبر میں سول حکومت کو برطرف کر کے اور 1961 کا آئین معطل کر کے اقتدار سنبھال لیا۔

1997: فروری میں فوج نے رافع پارٹی کے اسلامی وزیر اعظم نیکمتن اربکان کو قومی سلامتی کونسل کے ذریعے کہا کہ حکومت مذہبی رجحانات کی حوصلہ افزائی سے باز رہے اور ریاست کی سیکولر حیثیت کو برقرار رکھے۔اس سے فوج اور اربکان میں اختلاف کھڑا ہو گیا جس پر انہوں نے جون میں استعفیٰ دے دیا۔ جنوری 1998 میں ترک آئینی کورٹ نے رافع پارٹی اور اربکان سمیت اس کے سات رہنماؤں پر پانچ سال تک سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی۔

اگرچہ ترکی کی فوج اپنے آپ کو ترکی کی ریپبلک اور سیکولر حیثیت برقرار رکھنے کے تحفظ کا ضامن سمجھتی ہے قومی سلامتی کونسل سے ہٹ کر اس کا کردار 1990 کی دہائی میں کم ہوتا دکھائی دیا۔ فوجی کمانڈر سول رہنماؤں کے ساتھ یورپی یونین میں شمولیت کی کوششوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ ترکی کی یورپی یونین میں شمولیت کی دو شرائط میں انسانی حقوق کی صورتحال کی بہتری اور جمہوریت کے معیار کو بڑھانا شامل تھیں۔

ترکی جمہوری قدروں کو بہتر بنانے کے لیے حکومت نے 2003 میں قومی سلامتی کونسل کی ساخت اور کردار میں تبدیلیاں کرنے کا فیصلہ کیا۔ان تبدیلیوں میں شامل ہیں:

i۔ صدر قومی سلامتی کونسل کا سیکریٹری جنرل مقرر کرے گا جو سویلین بھی ہو سکتا ہے۔ ماضی میں صرف فور سٹار جنرل یہ عہدہ سنبھالتے رہے۔ اگست 2004 میں ایک سفارت کار کو پہلی دفعہ قومی سلامتی کونسل کا سیکریٹری جنرل مقرر کیا گیا۔

ii۔ قومی سلامتی کونسل ہر ماہ کے بجائے ہر دو ماہ بعد اجلاس کرے گی۔

iii۔ اس کی سفارشات کو کابینہ ماضی کی طرح ترجیحی بنیادوں کے بجائے عام انداز میں جائزہ لے گی۔

iv۔ قومی سلامتی کونسل کے سول ممبران کی تعداد بڑھا دی گئی اور فوجیوں کی تعداد کم کر دی گئی۔

۷۔ فوج کے اضافی بجٹ اور فنڈز کو کنٹرول کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی۔

جنرلوں نے کسی حد تک گریز کے ساتھ اپنے کردار میں کمی کی تبدیلیاں قبول کرنا شروع کر دیں تاہم وہ وقتاً فوقتاً سول حکومت پر خاص طور پر سیکولرازم کی روایت کے تحفظ کے نام پر دباؤ ڈالتے رہے۔انہیں احساس ہوا کہ یورپی یونین میں شمولیت کی غلط امید نے ان کا کردار کم کر دیا۔وہ ترک حکومت کے معاملات میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں لیکن سیاسی قوتوں ان کے مقابلے میں کافی مضبوط ہو چکی ہیں۔

2008 سے 2012 تک تقریباً 300 سول، حاضر اور ریٹائر فوجی افسران کو 2003 میں حکومت کو گرانے کی مبینہ کوشش میں شامل ہونے پر گرفتار کیا گیا۔انہیں پر 1997 میں اربکان کی حکومت کے خاتمے کا الزام ہے۔جولائی 2008، فروری 2010، مئی 2011 اور جنوری 2012 میں حاضر اور ریٹائر فوجی افسران بشمول تین اور فور سٹار جنرلز کے گرفتار کیا گیا۔

جولائی 2011 میں ترک مسلح افواج کے چار کمانڈروں (چیف آف آرمڈ فورسز، آرمی، نیوی اور ائیر فورس کے تین کمانڈروں) نے سینئر ریٹائرڈ اور حاضر سروس افسران کی گرفتاری پر احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔حکومت نے ان استعفوں پر کوئی قابل ذکر ردعمل ظاہر نہ کر کے اس بحران پر قابو پا لیا۔صدر نے نئی تقرریاں کر دی جنھوں نے بغیر کسی دشواری کے مسلح افواج کی کمانڈ سنبھال لی۔

جنوری 2012 میں ریٹائرڈ جنرل الکر باسبگ (چیف آف جنرل سٹاف 2008-2010) کو افسران کے گروہ کے ساتھ مل کر حکومت کو عدم استحکام کا شکار کرنے کی کوشش پر گرفتار کر لیا گیا۔جنرل باسبگ نے الزامات مسترد کر دیئے۔اپریل 2012 میں 1980 میں سول حکومت کے خلاف کو کرنے پر سابق صدر جنرل کعنان ایورن اور ائیر فورس کے سربراہ تاسین ساہن کایا کے خلاف ٹرائل شروع کیا گیا۔

اے کے پارٹی کی حکومت کے فوج کے ساتھ غیر اطمینان بخش تعلقات ہیں۔مختلف عدالتوں میں فوجی افسران کے ٹرائل تعلقات میں خرابی کی بڑی وجہ ہے۔فوج کی اعلیٰ قیادت کی رائے میں گل۔اردگان کا خفیہ اسلامی ایجنڈا ہے جو ترکی کے سیکولر تشخص کو نقصان پہنچا رہا ہے۔اے کے پارٹی پر آئینی عدالت کے ذریعے پابندی کی کوشش 2008 میں ناکام ہو چکی ہے۔

تاہم اے کے پارٹی فوج کا دباؤ ہٹانے میں کامیاب ہوئی ہے اور اعلیٰ فوجی قیادت کا سیاست میں کردار کم کر پائی کیونکہ اس نے 2002، 2007 اور 2011 میں تین لگاتار انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔اس نے معاشی حالات میں بہتری اور داخلی سیاسی امور میں بہتری کارکردگی سے ساکھ بنائی۔

خارجہ پالیسی میں ترکی نے مشرق وسطیٰ، مسلم دنیا اور مغرب سے مستحکم تعلقات کی بنا پر کافی عزت حاصل کی۔ان اقدامات سے اے کے پارٹی فوج کے کردار کو کم کرنے میں کامیاب ہوئی۔

پاکستان کی قومی سلامی کونسل کی کسی حد تک ترک قومی سلامتی کونسل سے مشابہت ہے لیکن پاکستان میں فوج کی غیر پیشہ وارانہ شعبوں میں بڑھتے ہوئے کردار کو مدنظر رکھنا ہوگا۔جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کے زمانے میں فوج نے گورننس اور سیاسی انتظامات میں اپنے کردار کو جائز بنانے کے لیے آئینی اور قانونی شکل دینے کی کوشش کی۔جنرل مشرف اپریل 2004 میں قومی سلامتی کونسل کے تصور کو حقیقت میں بدلنے میں کامیاب ہوئے۔

قومی سلامتی کونسل پاکستان میں فوجی قیادت کی نہ صرف دفاع و قومی سلامتی کے امور میں بلکہ دیگر اہم شعبوں جیسے معیشت، گورننس اور معاشرے میں اپنے کردار کو جائز بنانے کی کوشش ہے۔ضیاء الحق نے نظریاتی سرحدوں کے دفاع کی بات مقامی تناظر میں فوج کے بڑھتے ہوئے کردار کو جائز بنانے کے لیے کی۔جنرل مشرف نے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی بات نہیں کی بلکہ اس نے فوج کو بیرونی سلامتی، داخلی استحکام، معاشی ترقی اور سیاسی تسلسل کا محافظ گردانا۔

سیاسی نظام میں اعلیٰ سطح پر فوج کی موجودگی اس کی ریاست کے مختلف شعبوں میں بڑھتے ہوئے کردار، معیشت اور معاشرے میں اس کی فلاحی تنظیموں، خصوصی اداروں یا براہ راست فوج کی جانب سے کاروبار، تجارت، صنعت میں شمولیت کی مظہر ہے۔اس میں اضافہ سرکاری، نیم سرکاری اور نجی شعبے میں حاضر اور ریٹائر فوجیوں کی جانب سے نوکریوں میں شمولیت نے کر دیا۔

پاکستان اور ترکی کے تجربے سے پتا چلتا ہے کہ قومی سلامتی کونسل کی موجودگی اس بات کی ضمانت نہیں کہ فوج سیاست اور دیگر شعبوں میں اپنے ایجنڈا کو آگے بڑھانے کے لیے دیگر ذرائع استعمال نہیں کرے گی اور آئین اور جمہوریت کی خلاف ورزی نہیں کرے گی۔

جنرل مشرف نے کبھی قومی سلامتی کونسل کی موجودگی کو اپنے سیاسی ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں رکاوٹ نہیں سمجھا۔وہ اہم سیاسی اور سلامتی کے امور پر قومی سلامتی کونسل سے کم ہی مشاورت کرتے تھے۔
پالیسی سازی میں اہم واقعات جن میں قومی سلامتی کونسل کو اہمیت نہیں دی گئی درج ذیل ہیں۔

i۔ 11 ستمبر 2001 میں امریکا پر دہشت گردوں ک حملے کے بعد امریکی قیادت میں دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں شمولیت کا فیصلہ جنرل مشرف نے غالباً فوجی مشیروں سے غیر رسمی مشاورت کے بعد کیا۔قومی سلامتی کونسل سے کوئی مشاورت نہیں کی گئی۔

ii۔ بھارتی پارلیمنٹ پر 3 دسمبر 2001 میں دہشت گردوں کے حملے کے بعد بھارت اور پاکستان کے درمیان دسمبر 2001 سے اکتوبر 2002 کے درمیان فوجی کشیدگی کے دوران قومی سلامتی کونسل کا کردار سامنے نہیں آیا۔

iii۔ وزیر اعظم ظفر اللہ جمالی نے 24 جون 2004 میں قومی سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کی لیکن صدر مشرف نے کوئی اشارہ نہیں دیا کہ ان کی تبدیلی زیر غور ہے۔دو دن بعد مشرف نے جمالی کو مستعفی ہونے کا کہہ دیا۔یہ عمل مشرف کی اس بات کی نفی کرتا ہے کہ قومی سلامتی کونسل صدر کے اختیارات پر نظر رکھے گی۔

iv۔ 2007 میں کئی اہم پیش رفت ہوئیں جن سے صدر نے اکیلے ہی نمٹا۔قومی سلامتی کونسل کو اس مسائل سے نمٹنے کے لیے موثر طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ان اہم معاملوں میں صدر مشرف کا چیف جسٹس کو ایوان صدر بلا کر مستعفی ہونے کا کہنا، چیف جسٹس اور دیگر ججوں کی بحالی کے لیے وکلاء کی تحریک، اسلام آباد میں لال مسجد کا واقعہ اور آرمی چیف کی حیثیت سے 3 نومبر 2007 کو ایمرجنسی کا نفاذ جو کہ آئین کی کھلی خلاف ورزی ہے کیونکہ آئین آرمی چیف کو ایمرجنسی نافذ کرنے کا اختیار نہیں دیتا۔3 نومبر کی ایمرجنسی صدر مشرف کی اپنی ہی حکومت کے خلاف فوجی بغاوت تھی۔یہ ان کی 2004 کی اس دلیل کی نفی ہے کہ قومی سلامتی کونسل فوج کو براہ راست حکومت سنبھالنے یا آئین کی خلاف ورزی کرنے سے روکے گی۔

اختتامی جائزہ

قومی سلامتی کونسل ضروری نہیں کہ سلامتی، استحکام اور خارجہ پالیسی پر فیصلہ سازی کے لیے بہتر طریقہ کار فراہم کرے۔ ریاستوں نے قومی سلامتی کونسل جیسے اداروں کے بغیر بھی موثر طریقے سے فیصلہ سازیاں کی ہیں۔ ان ممالک میں جہاں فوج کی سب سے زیادہ طاقتور ہونے کی روایت ہو وہاں قومی سلامتی کونسل جیسے ادارے فوج کے کردار کو آئینی و قانونی تحفظ فراہم کرتے ہیں اور ان کے غیر پیشہ وارانہ شعبوں میں بڑھتے ہوئے مفادات کو تحفظ دیتے ہیں۔ فوج اس کے ذریعے سول حکومت کی نگرانی اور سرزنش کر سکتی ہے۔

گورننس، سماجی و معاشی ترقی اور عوام کے معیار زندگی میں بہتری سے انتخابات کے بعد سول حکومت کی کارکردگی کو جانچا جا سکتا ہے۔ اچھی کارکردگی سے سول حکومت کو فوج پر اپنے بالادستی قائم کر سکتی ہے بشرطیکہ دیگر داخلی و خارجی عوامل اس کے حق میں ہوں۔

کابینہ کمیٹی برائے دفاع کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے اس کے اجلاس باقاعدگی سے ہونے چاہیں نہ کہ کسی بحرانی صورتحال کے بعد طلب کیے جائیں۔ اس کو پیشہ وارانہ تحقیقی سٹاف کی مدد فراہم کیا جانی چاہیے جو سلامتی کے امور میں پالیسی سازی کے لیے پالیسی بریف فراہم کرے اور مختلف مسائل اور امور پر ممکنہ آپشنز کی نشاندہی کر سکے۔

پارلیمانی کمیٹیوں کے کردار کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ اسی صورت ممکن ہے جب ممبران متعلقہ امور پر سفارشات کی فراہمی کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو سنجیدگی سے محسوس کریں۔ ممبران کو اپنی سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر کردار ادا کرنا ہوگا۔ ناگزیر طور پر اپوزیشن ممبران کمیٹیوں کی کارروائی کو حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کا ایک اور موقع سمجھتے ہیں۔ کچھ ممبران کمیٹی اجلاسوں کو اس میں شریک ہونے والے سرکاری ملازمین یا فوجی افسران کی سرزنش کرنے کا موقع تصور کرتے ہیں۔

پارلیمانی کمیٹیاں قانون سازی میں پارلیمنٹ کے کردار کو مضبوط بنانے اور پالیسی سازی کے لیے رہنمائی مہیا کرتی ہیں۔ اس لیے ممبران کو مل کر معلومات حاصل کرنی چاہیے، متعلقہ حکومتی محکموں پر تعمیری تنقید کرنی چاہیے اور پارلیمنٹ کو عملی تجاویز پیش کرنی چاہیں۔

پارلیمانی کمیٹیوں کو زیر بحث امور کا صحیح تجزیہ کرنے کے لیے پیشہ وارانہ تحقیقی مدد بھی حاصل کرنی چاہیے۔ انہیں یہ سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں پارلیمانی کمیٹیاں کیسے کام کرتی ہیں۔

جمہوری اور خصوصاً پارلیمانی نظام میں پالیسی سازی میں کئی ادارے، افراد یا طریقہ کار شامل ہوتے ہیں۔ کوئی ایک ادارہ پورے عمل پر حاوی نہیں ہو سکتا اگرچہ سب اداروں کی یکساں اہمیت نہیں ہوتی۔ فوج سلامتی کے امور پر پالیسی سازی میں اہم کھلاڑی ہے تاہم ایک عمدہ پالیسی کے لیے جمہوری دائرہ کار میں سول اور فوجی رائے شامل ہو جس میں سویلین بالادستی ہونی چاہیے۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا ہے جب ایک ادارے یا رہنما کو بالادستی کا فوبیا ہو اور حکومتی نظام کی تمام خرابیوں اور کمی کو درست کرنے کا خود ساختہ مشن سنبھال لے۔

تمام اداروں کو اپنا حقیقی کردار ادا کرنا چاہیے کیونکہ بامعنی مشاورتی عمل کا کوئی متبادل نہیں۔

منتخب کتب

Ahmad, Ishtiaq, "Turkish Model in Pakistani Politics," Nation (Lahore), November 7, 14, and 21, 1999.

Aydinli, Ersel, "Turkey Under the AKP: Civil-Military relations Transformed," Journal of Democracy (Vol.23 N.1, January 2012), pp.100-108.

Beg, Mirza Aslam (General), "Restructuring the Higher Defence Organization," Nation (Lahore), December 4, 1993.

Chubin, Shahram, Wither Iran? Reform, Domestic Politics and National Security, Adelphi Paper 342 (London: International Institute for Strategic Studies, 2002).

Constitution of the Republic of Turkey http://www.tbmm.gov.tr/english/constitution.htm\

Constitution of the Islamic Republic of Iran http://www.iranonline.com/iran-info/Government/constitution-13.html

Hale, William, Turkish Politics and the Military (London: Routledge, 1994).

Idris, Kunwar, "Rubber-Stamping the NSC," Dawn (Karachi), April 11, 2004.

India News Online: National Security Council Set Up
http://www.indiagov.org/inews/December98/9.htm

Iqbal, Nadeem, "Power Play," Newsline (Karachi), August 2001, p.38.

Jenkins, Gareth, Context and Circumstance: The Turkish Military, Adelphi Paper 337 (London: International Institute for Strategic Studies, 2001).

Muftuler-Bac and E Fuat Kayman, "Turkey Under the AKP," Journal of Democracy (vol.23 No.1, Janaury 2012), pp.85-99.

National Security Council History: The White House file://C:\Documents and Settings\Administrator\Desktop\NSC_USA.htm

National Security Council: Prime Minister's Office (Israel)
http://www.pmo.gov.il/pmoeng/pm+office/divisions/securitycouncil.htm

Perlmutter, Amos, The Military and Politics in Modern Times, Chapter 9 on Israel (New Haven: Yale University Press, 1977).

Rahman, S.M., "Subordinating the Role of the Armed Forces," Muslim (Islamabad), September3, 1993.

Rehman, I.A., "NSC Offers No Cure," News (Lahore), March 4, 2001.

Rizvi, Hasan Askari, "Will NSC End Military Intervention?" Dawn, April 8, 2004.

Military, State and Society in Pakistan (New York: St. Martin's Press, 2000).

Salt, Jeremy, "Turkey's Military Democracy," Current History (Vol.98, No. 625, February 1999), pp. 72-78.

State of Democracy Report, April 1, 2004-June 30, 2004 (Lahore: PILDAT, November 2004).

Vas, E.A. (Lt-General, retd.), "National Security Council: Role and Function." (India) http://www.inpad.org/res1.html

پلڈاٹ

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپیرنسی

ہیڈ آفس: نمبر 7، 9th ایونیو، F-8/1 اسلام آباد، پاکستان

لاہور آفس: 45-A، سیکٹر XX، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، لاہور، پاکستان

ٹیلیفون: (+92-51) 111-123-345 فیکس: (+92-51) 226-3078

E-mail: Info@pildat.org; Web: www.pildat.org